

ذوق اردو

05-31-2017



فہرست

ائزہ ٹینمنٹ

۱	انگش و انگش
۲	بے چین
۵	پر لف ترین شخص

سائنس / شیکنالوجی

۶	کمپیوٹر وائرس
---------	---------------------

صحت

۷	دس نکاتی صحت بخش منشور
---------	------------------------------

کاروبار

۸	مربوط ترقی کا راز
۹	معاشی سفر کے تضادات

کھیل

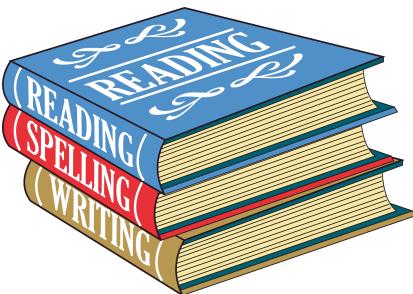
۱۱	آئیکلیکس
۱۳	سائیکلنگ
۱۵	فٹ بال کے فکس میچ

معاشی

۱۷	خواتین کا عالمی دن
۱۸	صنعتی و معاشی حب
۱۹	کرپشن کی سماجی وجوہات

یک چھوٹی سی USB میں سوچ پکا ہے۔ ایسے میں انگریز کو سب کے لیے قابل قبول بنانے کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی، اردو کا حل تو ”رمون اردو“ کی شکل میں بہت پہلے تکل آتا تھا، اب انگریز کی مشکل بھی حل ہو گئی ہے۔

اب جو جنتی غلط انگریزی لکھتا ہے اُتنا ہی عالم فاصل خیال کیا جاتا ہے، اگر آپ کو کسی دوست کی طرف سے مجع آئے اور اُس میں That کی بجائے Dat لکھا ہو تو یہ پوچھہ سا قہقہہ لگانے کی وجہ بجاے ایک لمحے میں سمجھ جائیں کہ آپ کا دوست ایک نبیں اور نبیا دار شخص ہے جو جدید انگریزی کے تمام تر اموازنات سے وافق ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ شاید انگریزی میں اردو اور پنجابی کا ذمکار ہمارے ہاں لگایا جاتا ہے لیکن میر اخیال غلط ثابت ہوا، مخصوصو یہ میں مقیم میرا بھاجنا ہتا رہا تھا کہ یہاں کے عربی بھی انگریزی کا شوق پورا کر رہے ہوں تو چہاں جہاں انگریزی اُنکھیں دھکتی ہے وہاں یہ عربی کا لفظ ڈال لیتے ہیں، مثلاً اگر انگریزی میں کہنا ہو کہ یہ میرا گھر ہے تو ہبے آرام سے کہہ جاتے ہیں ”ھذا بائی ہوم“۔

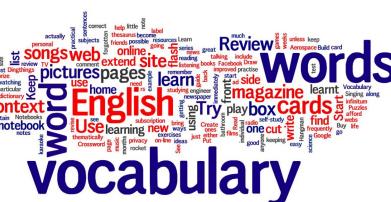


انگریزی اتنی آسان ہو گئی ہے لیکن بڑے دکھ کے ساتھ بتانا پڑتا ہے کہ یہ آسان انگریزی صرف ہماری عام زندگیوں میں ہی مقابل قول ہے، انگریزی کا مضمون پاس کرنے کے لیے تاحال اسی جناتی انگریزی کی ضرورت ہے جو خود انگریزوں کو بھی نہیں فرمائے۔

اگریزی میں بھی ایسی مشکلات آن پڑی ہیں کہ کتنی دفعہ جملہ سمجھنے کے لیے استخارہ کرتا پڑتا ہے۔ ابھی کل مجھے ایک دوست کا تجھ آیا، لکھا تھا ”U r inv in bk crmy“ میں نے جیرت سے مجھ کو پڑھا، اللہ جانتا ہے تین چار دفعہ مجھے شک گذرا کہ اُس نے مجھے کوئی گندی سی گالی لکھی ہے، دل مطمئن نہ ہوا تو ایسی ہی انٹلش لکھنے اور سمجھنے کے ماہر ایک اور دوست سے رابطہ کیا، اُس مرد مجہد نے ایک سینئنڈ میں ٹرانسلیشن کر دی کہ You are invited in book's ceremony

انگریزی سے بنتے کا ایک اور اچھا طریقہ میرے ہمسایے شاکر صاحب نے تکلا ہے، جہاں جہاں انہیں انگریزی نہیں آئی وہاں وہ اطمینان سے اردو ڈال لیتے ہیں۔ مثلاً اگر کھانا کھاتے ہوئے انہیں کسی کا مجع آجائے تو جواب میں لکھ بھیجیں ہیں ”پلیز اس تمام نات ڈسٹریب، آئی ایم کھانا کھائیںگ۔“ ایک دفعہ موصوف کو فیں بک پر ایک لڑکی پندا آگئی، فوراً لکھا ”آئی وانٹ ٹو شادی ود یو۔۔۔ آر یو راضی؟“ لڑکی کا جواب آیا ہاں آئی ایم راضی، بٹ پلے ٹرائی ٹو راضی میرا بیو تے بے بے ”آج کل یہ دونوں میاں بیوی ہیں اور کاشٹ ای انگریزی میں ٹرائی جھگڑا کرتے ہیں، تاہم اب وہ درمیان میں اردو کی بجائے پنجابی بولتے ہیں اور ایک جملہ بار بار درستہ تر ہیں ”آئی سیٹ کھصمان نوں کھا، یور سارا خاندان از چول۔۔۔“

انگریزی کے بدلتے ہوئے رنگ صرف تین تک محدود نہیں، اب تو کوئی صحیح انگلش میں جملہ لکھ جائے تو اس کی ڈھنی حالت پر تک ہونے لگتا ہے، ماذر ہونے کے لیے انگریزی کا بیڑا غرق کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے، میں تو کہتا ہوں انگریزی کی صرف ثانگ ہی نہیں، دانت بھی توڑ دینے چاہئں، اس بدجنت نے ساری زندگی ہمیں خون کے آنسو رُلا لیا ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اب انگریزی لکھنے کے لیے گرامر اور Tenses بھی غیر ضروری ہو گئے ہیں۔ یعنی اگر کسی کو کہنا ہو کہ ”میں تمہارا منتظر ہوں، تم کب تک آؤ گے؟“ تو بڑی آسانی سے اسے چکلیوں میں یوں لکھا جاسکتا ہے wtg !!! ... ۲۹ cm whn



دنیا مختصر سے مختصر ہوتی چارہی ہے، کمپوٹر ڈیکٹ ناپ سے لیپ
ناپ اور اب آئی پیڈ میں سما پکھے ہیں، موٹے موٹے ٹی وی اب
سماں ایلی کی شکل میں آگئے ہیں، فنڈو اے ہی کی جگہ
سپلٹ اے ہی نے لے لی ہے، ایٹرنسیت

نگاش و نگاش

مصنف: یوسف اقبال

مجھے بچپن سے ہی انگریزی میں فیل ہونے کا شوق تھا لہذا میں نے ہر کلاس میں اپنے شوق کا خاص خیال رکھا ویسے تو مجھے انگریزی کوئی خاص مشکل زبان نہیں لگتی تھی، اس ذرا سی پہلیک Tenses، گرامر اور ہمیں کلاس میں انگریزی پڑھایا کرتے تھے وہ بھی کاشے انگریز ہی تھے، دو سال تک ”ی- یو- یپی- سپ“ پڑھاتے رہے، مشین کو ”جھین“ اور نالج کو ”بنانچ“ کہتے رہے۔ اسی تعلیم کے بعد میری انگریزی میں اور بھی نکھرا آگیا، مجھے یاد ہے میٹرک کے داغدے فارم میں جب ایک کالم میں ”Sex“ لکھا ہوا تھا تو میں کافی دیر تک شرماتے ہوئے سوچتا رہا کہ ایک لائن میں اتنی بھی تفصیل کیسے لکھوں؟؟؟ فارم کے پہلے کالم میں اپنا نام انگریزی میں لکھتا تھا لیکن انگریزی سے نامبلد ہونے کی وجہ سے مجھے یہ نام لکھنے کے لیے اسلام آباد کا سفر کرنا پڑا کیونکہ فارم پر لکھا ہوا تھا” Fill in capital“

اگریزی فلمیں دیکھتے ہوئے بھی مجھے کہانی تو سمجھ آجائی تھی،
سٹوری پلے نہیں پڑتی تھی۔ سکل ملین ڈار میں، نائٹ رانر،
چپیں، ایکر وولف اور کوچیک جیسی مشہور زبانہ نہیں میں نے
صرف اور صرف اپنی ذہانت سے سمجھیں اور انجوئے کیں۔



آج سے کچھ سال پہلے تک مجھے یقین ہو چکا تھا کہ میں فارسی، عربی، پشتو اور اشادوں کی زبان تو سیکھ سکتا ہوں لیکن انگریزی نہیں، لیکن اب جو حالات چل رہے ہیں ان کو مد نظر رکھ کر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یا تو مجھے انگریزی آگئی ہے، یا سب کو بھول گئی ہے۔ کچھ بھی ہو، میری خوشی کی انتہا نہیں، اب سارے سینیگ بدل گئے ہیں اور دو تین لفظوں میں سما گئے ہیں۔ اب Coming لکھتا ہو تو صرف cmg سے کام چل جاتا ہے۔ گرل فرینڈ GF ہو گئی ہے اور فیس بک FB بن گئی ہے۔ اب کوئی انگریزی کا لمبا لفظ لکھنا ہو تو اس سے پہلے کے چند الفاظ لکھ کر ہی ساری بات کی جاسکتی ہے، میں نے سارے تین سال کی ”میوش پاشقت“ کے بعد unfortunately کے سینیگ یاد کیے تھے، آج کل صرف Unfort سے کام چل جاتا ہے لیکن جیسا سے مشکل سینیگ شروع ویں پر ختم۔

بات سہارا تک رہتی تو جھک تھا لیکن اب تو اک غصہ

بے چین

مصنف: یوسف اقبال

یفت کے روز تک اندر کا کام پورا ہو چکا۔ اب باہر کی دیواریں باقی تھیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ دیواروں میں نیچے ڈائیٹ اس کی جاتا تو ایک ساتھ پورا لمبہ نیچے آگزست لیکن میکوٹن کے لیے یہ طریقہ ناقابل عمل تھا۔ اس کے لیے لائنس کی ضرورت تھی جو شالی آئرلینڈ میں مشکل کام تھا۔ اس کے علاوہ محلہ لیکس اور انشورنس والوں کو بھی اداگی کرنا پڑتی۔ لہذا یہ سارا کام مزدوروں کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ خود کو خطرہ میں ڈالنے دیواریں ہاتھوں سے توڑ رہے تھے۔ کھانے کے وقت فوریں نے اونھر اونھر گوم کر کام کا جائزہ لیا اور پھر کہا کہ اس طرف کی دیوار کا بڑا حصہ پہلے توڑتا ہے۔ پھر وہ رام لعل کی طرف مڑا اور کہا ”میں چاہتا ہوں کہ تم اپر چڑھو اور جب دیوار گرنے لگے تو اسے باہر کی طرف دھکا دو۔“

بل کیروں جاتا تھا کہ رام لعل اونچائی سے ڈرتا ہے۔ رام لعل نے جواب دیا ”اس پوری دیوار میں دراز پڑی ہوئی ہے۔ جو بھی اپر گیا، وہ اس کے ساتھ ہی گرے گا۔“ بل کیروں کا پھر غصے سے سرخ ہو گیا، وہ چیخ کر بولا ”تم مجھے میرا کام مت سمجھو۔ کالے آدمی، جیسا تم سے کہا، وہی کرو۔“ رام لعل اخادر فوریں کے سامنے جا کر بولا ”مشر کیروں! ایک بات صاف ہوئی چاہیے۔ میرا تعلق راجپوت قبائل سے ہے۔ گو اس وقت میرے پاس تعلیمی اخراجات کے لیے رقم کم ہے لیکن میرے آباء و اجداد میں دو ہزار سال قبل راجہ، مہاراجہ، شہزادے اور فوج کے پہ سالار گزرے ہیں۔

اس وقت تم لوگ بندروں کی طرح چاروں ہاتھ پر چلتے اور کپڑوں کی جگہ کھال پہنچتے تھے۔ براؤ ہمہ بانی آپ میری بے عزتی کرتا بند کر دیں۔ ہر انسان کی اپنی عزت ہوتی ہے جس کی حفاظت اس کا فرض ہے۔“ رام لعل کی یہ منظر تقریر سب لوگوں نے دم بخود سنی۔ بل کیروں کا غصہ انہا کو پہنچ گیا۔ اس نے چیخ کر گالی دی اور کہا ”مچھا تو تم واقعی عزت دار تھے۔“ ساتھ ہی اس نے رام لعل کے مند پر اتنے ہاتھ کا زور دار تھپڑ ریسید کیا۔ پھر اس نے رام لعل زمین سے لٹک کر کمی فٹ دور جا گرد برنس کی آواز آئی ”لڑکے زمین سے اخنا مت، ورنہ بگ بیلی تھیں جان سے ہی مار دے گا۔“ رام لعل نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو دیزداد بل کیروں مٹھیاں بند کئے اس کے اٹھنے کا منظر تھا۔

رام لعل کا اس سے کوئی مقابلہ نہ تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور خاموشی سے پڑا رہ دکھ اور بے عزتی کی تکلیف سے اس کی آنکھوں سے آنسو بنتے گے۔ بند آنکھوں سے رام نے خود کو وطن میں پیلا جہاں اس کے آباہ و اجداد گھوڑوں پر سوار، تلواروں اور نیزوں سے لیں آس پاس سے گزرتے اسے صرف ایک لفظ کہہ رہے تھے ”انقام، انقام۔ تھیس اپنی بے عزتی کا انقام لینا ہو گا۔“ رام لعل خاموشی سے اٹھا اور کام میں لگ گیا۔ سارا دن نہ وہ کسی سے بولا اور نہ کوئی بات کی۔ اس رات

اس شخص نے پھر جس کا نام برنس تھا، باقی لوگوں سے رام لعل کا تعارف کرایا۔ ایک شخص نے کہا ”تمہارے پاس کھانا نہیں ہے؟“ رام لعل نے کہا ”میں کل سے لاوں گا۔“ دوسرے شخص نے پوچھا ”کیا تم نے ایسا مشقتی کام پہلے کیا ہے؟“ رام نے نفی یہاں سر بلادیا۔ اس شخص نے کہا ”تھیس مضبوط جوستے اور دستانے بھی خریدنے ہوں گے۔“ باقی لوگوں میں رام لعل نے بتایا کہ وہ طب کا طالب علم ہے اور اسے مجبوراً یہ کام کرنا پڑ رہا ہے تاکہ کچھ زائد آمدن حاصل کر سکے۔ ٹرک ڈپلڈ روڈ پر ایک کچھ راستے پر درختوں کے قریب رک رک گیا۔ وہاں کو مرکے کنارے شراب کی ایک پرانی نیکری تھی جسے گریا جاتا تھا۔

عمارت کے مالک کی خواہش تھی کہ کم سے کم رقم خرچ ہو۔ لہذا اس نے کسی بڑی کمپنی کے بجائے ٹھیکنیار میکوٹن سے بات کی جو مناسب رقم میں بغیر مشینی کے عمارت گرانے کے لیے تیار ہو گیا۔ میکوٹن کے مزدوروں نے یہ کام بھاری ہاتھوں اور کہاں کی مدد سے کرنا تھا۔ میکوٹن کو یہ بھی لائچ تھا کہ عمارت نوٹنے سے لفٹے والی لکڑی اور سیکڑوں ٹن اینٹیں فروخت کر کے اضافی آدمی حاصل ہوئی۔ مزدور اور اخلاقی عمارت کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے پاس بڑے ہاتھوں، لمبی چھینیاں اور رہے تھے۔

فوریں نے کہا ”چلو بھی کام شروع کرو۔ ہم سب سے پہلے چھت کی تالکیں توڑیں گے۔“ رام لعل نے اندر چھت دیکھی جو کسی چار منزلہ عمارت کے برابر اوپری تھی۔ اسے اونچائی سے خوف آتا تھا۔ ایک آدمی نے پرانی لکڑی کا دروازہ توڑا اور آگ جلا کر چائے کا پانی رکھا۔ سب لوگوں نے تام چینی کے مگ نکالے اور چائے پینے لگے۔ رام لعل نے سوچا کہ کل وہ مگ بھی خرید لے گا۔ تاہم برنس نے اپنے گل میں رام لعل کو چائے دی۔ چھت پر کام شروع ہو گیا۔ تالکیں اکھار کے نیچے پہنچ گئیں۔ ۱۲ بجے کے بعد کھانے کا وقہہ ہوا اور سب لوگ اونچائے گئے۔ چائے ہی اور رام لعل کے سوا سب مزدوروں نے کھانا لکھا ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ دیکھے جو جگہ جگہ سے چھل گئے تھے اور سارا جنم دکھ رہا تھا۔

برنس نے رام لعل سے کہا ”لو تم بھی سینہوچ کھا لو، میرے پاس کافی ہیں۔“ بل کیروں سامنے میجا تھا، اس نے برنس سے کہا ”تم کیا کر رہے ہو۔ کالے کو اپنا کھانا خود لانے دو، تم صرف اپنی گلر رکھو۔“ برنس نے اپنی نظریں جھکایں گیا کہ کوئی بھی فوریں کے آگے نہیں بول سکتا تھا پورے بینے کام چلتا رہا۔ عمارت کی چھت، دیواریں، دروازے اور کھڑکیاں نیچے ملے کے ڈھیر پر گرتی رہیں۔ رام لعل کے لیے یہ سخت محنت کا کام تھا، ہاتھ زخمی ہو گئے لیکن رقم کی خاطر وہ محنت کرتا رہا۔ اس دوران فوریں بل کیروں جسے لوگ ”بگ بیلی“ بھی کہتے تھے، رام لعل کے پیچھے لگا رہا۔ مشکل کام اسے دیا جاتا اور وہ بے عزتی کرنے کا بھی کوئی موقع ضائع نہ کرتا۔

میکوٹن نے سامنے پہنچے امیدوار کی طرف غور سے دیکھا۔ یہ دیلا پتلا گندی رنگت کا آدمی کام کی علاش میں آیا تھا۔ میکوٹن نے اسے بتایا کہ یہ کام بہت مشقت والا اور عارضی ہے۔ تھیس نقد ادائیگی کی جائے گی۔ یہ پرانی عمارتیں گرانے کا کام ہے جس میں خطرہ بھی ہے لیکن یہیہ یا صحت کے علاج کے سلسلے یہیں مماری کوئی نہیں داری نہیں ہو گی۔

رام لعل نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ اس کا تعلق بھارتی علاقے راجستان کے ایک غیر معمولی گھرانے سے تھا۔ وہ طب کی تعلیم پانے آئرلینڈ آیا تھا۔ اس کا آخری سال تھا، اپنی ضروریات پورا کرنے کی خاطر اسے مزید آمدن درکار تھی۔ اسی لیے وہ ٹھیکنیار کے دفتر عارضی ملازمت حاصل کرنے آیا تھا۔ موسم گما کی چھیوں میں کچھ آمدن حاصل ہوا۔ میکوٹن نے رام لعل سے کام پر جائے۔ اوقات صبح ۷ بجے سے شام کے بیچ میں۔ تمام مزدوروں کو ٹرک صبح ۶ بجے اٹیشن کے سامنے سے لیتا ہے۔

ان کا انچارج بل کیروں ہے، میں اسے بتا دوں گا۔ رام لعل دفتر سے باہر آیا اور ایک کمرا علاش کرنے لگا۔ کوشش کے بعد اسے اٹیشن کے قریب ایک کمرا مل گیا۔ اوقار کے روز وہ اپنے منظر سامان کے ساتھ اس کرے پیل میٹل ہو گیا۔ دوپہر کے وقت وہ بستر پر لیٹا اپنے گاؤں کی پیلاڑیوں کی سیکتوں اور سانوں کو پیدا کرتا اور سوچتا رہا تھا کہ جلد اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹر بن کر گاؤں چلا جائے گا۔ میر کی صبح رام لعل جلدی اٹھا اور ۶ بجے کے قریب مقررہ مقام پر پہنچ گیا۔ کچھ دیر بعد ٹرک پہنچ گیا۔ اس وقت تک ۱۲ افراد جمع ہو چکے تھے۔ رام لعل کچھ دور ہٹ کر انداخت کرنے لگا۔

ٹھوڑی ہی دیر میں گروپ انچارج بھی پہنچ گیا۔ اس کے پاس مزدوروں کی فہرست تھی اور وہ سب کو جانتا تھا۔ رام لعل اس کے قریب پہنچا تو فوریں نے پوچھا ”کیا تم وہی کالے آدمی ہو جسے میکوٹن نے ملازم رکھا ہے۔“ اس نے کہا ”ہاں میں ہی ہری کشن رام لعل ہوں۔“ فوریں بل کیروں کا رو یہ اس کی شخصیت کا آئینہ دار تھا۔ اس کا تقدیر ۶ فٹ ۳ چھ اور جسم طاقتور تھا، ٹھکل سے بھی وہ ایک پہلوان معلوم ہوتا۔ غصہ اس کی ناک پر دھرا رہتا تھا۔ اس نے حقارت سے زمین پر تھوکا اور رام لعل سے کہا ”جاگو ٹرک میں پہنچو۔“ دورانی سفر ایک شخص نے پوچھا ”تم کہاں سے آئے ہو۔“ اس نے کہا ”بھارت کے علاقے راجستان سے۔“ آدمی نے پوچھا ”کیا تم عیسائی ہو؟“ رام لعل نے کہا ”میں ہندو ہوں۔“

چھوٹے سے سوراخ سے سانپ نکل کر اندر ونی سلانی میں چھپ گیا تھا۔ شام کو واپسی کے وقت فور میں نے اپنی جیکٹ لادر کر اپنے برابر رکھ لی اور مقبرہ مقام پر سب لوگ اتر کر اپنے گھر جانے لگے۔

رام لعل نے برنس سے پوچھا کہ کیا بل کیسروں کے بیوی بچے ہیں؟ اس نے اثبات یہیں بیوی دیا۔ رام لعل اپنے کمرے پہنچا اور دل سے دعا کرنے لگا کہ میں اپنی بے عزتی کا بدله بل کیسروں سے لینا چاہتا تھا لیکن اس کے بیوی بچوں کو فحصان پہنچانا میرا مقصد ہرگز نہیں۔ اتوار کا دن بھی انہی سچوں میں گزر گیا۔ پھر کی صبح بل کیسروں اور اس کے بیوی بچے صبح ۶ بجے کے قریب اٹھے اور نشانکرنے باولی خانے میں بیج ہو گئے۔ بل کیسروں کام پڑ جانے کے لیے تیار ہوا۔ اس نے بیٹی سے کہا کہ ذرا میری جیکٹ تو لانا۔ وہ الماری سے نکال کر لائی۔ بل نے کہا: ”اسے دروازے کے پیچے ناگ کو دو۔ میں ابھی لیتا ہوں۔“ جب بیٹی نے جیکٹ ناگی تو وہ بچل کر باوری گی خانے کے فرش پر گر پڑی۔ ملی نے غصے سے کہا ”تم سے کوئی کام ڈھنک سے نہیں ہوتا۔ جیکٹ اٹھا کر اچھی طرح ناگوں،“ بابا، یہ آپ کی جیکٹ سے کیا چیز گری۔

”بگ ملی کی بیوی، بیٹی اور سب نے اس طرف دیکھا۔ ایک چھوٹا سا جاندار فرش پر پڑا چکلیں آنکھوں سے سب کو دیکھ رہا تھا۔ باریک دو شاخ زبان ہر اتنی نظر آری تھی۔ بل کی بیوی بولی ”خدا ہمیں محفوظ رکھے، یہ تو کوئی سانپ ہے۔“ بل کیسروں غصے سے بولا: ”پاگل نہ ہو، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آئرلینڈ میں قدرتی طور پر کوئی سانپ نہیں پایا جاتا۔ ہر شخص یہ بات جانتا ہے۔“ پھر اس نے بیٹی سے پوچھا: ”بوبی، تم تو اسکوں میں سانس پڑھتے ہو، تمھارے خیال میں یہ کیا چیز ہے۔“ لڑکے نے سانپ کی طرف غور سے دیکھا اور کہا: ”یہ یقیناً کیچھا ہے جو عموماً جنگل کی گھاس میں پایا جاتا ہے۔“ بگ ملی نے اپنے بیٹی سے کہا: ”یہ جو کچھ بھی ہے، اسے مار کر باہر پھینک دو۔“ بوبی اٹھا اور اپنا جوتا نکال کر اس جانور کو مارنے چلا۔ بل کیسروں کے دماغ میں ایک اور خیال آیا۔ اس نے کہا: ”دُورا رک جاؤ اور مجھے ایک ڈھنک والا مرتبان دو،“ مرتبان آیا تو ملی اٹھا اور بہت احتیاط اور پھرتی سے سانپ کو مرتبان میں منتقل کر دیا۔

سانپ بھی آئرلینڈ کے سرد موسم سے کچھ سست ہو گیا تھا۔ ملی کے بیٹے نے پوچھا: ”ابو آپ اس کا کیا کریں گے؟“ ملی نے کہا: ”ہمارے گروہ میں ایک کالا بھارت سے آیا ہے، وہاں بہت سانپ ہوتے ہیں۔ یہ مذرا اس کے ساتھ مذاق کروں گا۔“ تو شاید خوف کے مارے مر ہی جائے گا۔“ اس نے جیکٹ پہنچی، کھانا لیا اور بیگ میں پھر سانپ والے مرتبان کے ساتھ رکھ دیا۔ پھر وہ اسٹینشن رووانہ ہو گیا۔ وہاں سب لوگ مع رام لعل موجود تھے۔ ترک میں سورا ہو کر یہ پڑی کام والی جگہ پر رووانہ ہو گئی۔

اور جسم پتلا ہوتا ہے۔ زہریلے دانت شکار کی جلد پر سوئی جیسے دو سوراخ چھوٹتے ہیں۔ زہر اتنا تیر اثر ہوتا ہے کہ دو تین گھنٹوں میں موت واقع ہو جاتی ہے۔ موت کا سبب دماغ میں خون کا اخراج ہوتا ہے۔ رام لعل نے دکان کے مالک سے پوچھا کہ اس سانپ کی کیا قیمت لو گے؟ کچھ دیر بحث کے بعد سودا ۳۵۰ روپے میں ملے ہو گیا۔ رام لعل سانپ کو ایک ڈھنک والی بوتل میں بند کر کے گھر چلا آیا۔ لندن سفر کے لیے رام لعل نے ایک سگار بکس خریدا۔ اسے خالی کر کے اس میں پدرہ چھوٹے سوراخ کیے اور سانپ نرم پتوں کے ساتھ سگار بکس میں بند کر کے اسے اچھی طرح ٹیپ سے بند کر دیا۔ اس طرح لندن واپسی کے سفر شروع ہوا۔ شام تک رام لعل اپنے کمرے میں پہنچ چکا تھا۔

اس نے سگار بکس نکال کر دیکھا۔ سانپ بالکل صحیح حالت میں یاہ چک کے دار آنکھوں سے رام لعل کو گھور رہا تھا۔ رام لعل نے شیشے کا ایک ڈھنک دار مرتبان خالی کیا تاکہ صبح استعمال کیا جائے۔ صبح جلدی اٹھ کر اس نے انتہائی احتیاط سے سانپ کو سگار بکس سے مرتبان میں منتقل کیا۔ مضبوطی سے ڈھنک لگایا اور اسے اپنے لیچ بکس میں حفاظت سے رکھ دیا۔ مقررہ وقت وہ اسٹینشن پہنچا جہاں سے ترک سب مزدوروں کو لیے کام کی جگہ نکال تھا۔ بل کیسروں کی یہ عادت تھی کہ کام شروع کرنے سے پہلے وہ اپنی جیکٹ لادر کر کسی شاخ پر اُتار دیتا تھا۔ کھانے کے وقت میں وہ جیکٹ کی جیب سے اپنا پانپ اور تمباکو کی تھیلی نکال کر پانپ ضرور پیتا۔ رام لعل کا ارادہ تھا کہ وہ موقع پا کر سانپ کو بل کیسروں کی جیکٹ کی جیب میں چھوڑ دے گا۔ پھر وہ جیکٹ کی جیب سے پانپ اور تمباکو نکالے گا۔ اس دوران سانپ بل کیسروں کو دوں لے گا۔ بل کیسروں گھبرا کر ہاتھ جیب سے نکالے گا، تو سانپ اس کے ہاتھ سے لٹکا ہو گا کیونکہ اس کے دانت گوشت میں گڑے ہوں گے۔ منصوبے کے مطابق رام لعل کسی بھانے ۱۱ بجے کے قریب اٹھا۔

اپنا لیچ بکس کھول کر سانپ کا مرتبان نکالا، ڈھنک کھول کر بل کیسروں کی جیکٹ کی داہنی جیب میں الٹا اور فوراً واپس آکر کام میں لگ گیا۔ کھانے کے دوران سب لوگ دائرے میں بیٹھ کر سینہ ووجہ کھانے لگے۔ رام لعل کا دل کھانے میں نہیں لگ رہا تھا، وہ زبردست سب کے ساتھ بیٹھا۔ کبھی کبھی نظر اٹھا کر فور میں کی جیکٹ کی طرف دیکھتا۔ آخوند بل کیسروں نے کھانا ختم کیا، اٹھ کر اپنی جیکٹ کی طرف گیا اور داہنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ چند سینٹی بعد اس نے پانپ اور تمباکو کی تھیلی نکالی، پانپ بھر کر جالیا اور پینا شروع کر دیا۔ رام لعل مایوسی اور نامیدی کا شکار تھا کہ اس کی چال نے اپنا کام نہیں دکھایا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر بے تھین سے جیکٹ کی طرف دیکھا۔ اسے چند سینٹی کے لیے جیکٹ کے ایک کنارے پر کوئی چیز چلتی نظر آئی۔ جیکٹ کی جیب میں پانے جانے والے

جب وہ اپنے کمرے میں پہنچا تو باہر گرج چک ہو رہی تھی اور طوفانی بارش کے آئندہ تھے۔ وہ بستر لیٹ گیا اور کوئی ایسی تدبیر سوچنے لگا جس سے اقسام لے سکے۔ تھوڑی دیر بعد بارش شروع ہوئی۔ اس کی نظر کھڑکی کے شیشے پوچھی جہاں بارش کی بوندیں ایک قطار کی شکل میں بننے لگی تھیں۔ شیشے پوچھی میں کی وجہ سے پانی کی قطار یہی کے مجاہے لہراتی ہوئی بننے لگی۔ اچانک رام لعل کی نظر کو نیچے پوچھی ڈھنک گاؤں کی ڈوری پر گئی جو ہوا سے نیچے گر گئی تھی۔ گری ڈوری ایسی لگتی تھی کہ پتلا سانپ کنڈیل مارے بیٹھا ہو۔ رام لعل سمجھ گیا کہ اسے کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔ اگلے روز رام لعل بذریعہ ریل بیلفاست کیا اور اپنے سکھ دوست سے ملا۔ رنجیت سنگھ بھی اس کی طرح طالب علم تھا لیکن اس کے والدین دولت مند تھے اور اسے ملابنے اچھی رقم اخراجات کے لیے بھیجتے۔ رام لعل نے اس سے کہا کہ مجھے گھر سے اطلاع ملی ہے، میرے والد بستر مرگ پر ہیں۔ میں سب سے بڑا بیٹا ہوں۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مجھے والپیں ہندوستان جانا ہو گا۔ رنجیت سنگھ نے کہا کہ ہاں بھی روایت ہے کہ والد کے انتقال کے وقت بڑا بیٹا اس کے پاس ہو۔ رام لعل نے کہا، میرا مسئلہ ہوائی سفر کے نکٹ کا ہے۔ میں کام بھی کر رہا ہوں لیکن میرے پاس کافی پیسے نہیں۔ کیا تم مجھے کچھ رقم اوحاد دے دو گے؟ میں زائد کام کر کے تمہاری رقم لوٹا دوں گا۔ سکھ نے کہا کہ کوئی بات نہیں، میں کل پیک سے رقم نکلاوا کر تھیں دے دوں گا۔ اس روز شام کو رام لعل اپنے ٹھکنیار مشرک میکوٹن سے ملا اور اپنے والد کے بارے میں بتایا کہ اس کا آخری وقت قریب ہے۔ میں اس سے ملے جانا چاہتا ہوں۔ یہ ہمارا نہ ہمی طریقہ ہے کہ مرنے والے کی آخری رسوم اس کا بڑا بیٹا ادا کرے۔ رام لعل نے یہ بھی کہا ”میں نے ہوائی کرائے کی تھیاری رقم لوٹا دوں گا۔“ اگر میں کل کی پرواز سے روشن ہو جاؤں تو اگلے پہنچے والپیں آ سکتا ہوں۔ ”ٹھکنیار نام دل آدمی تھا، اس نے کہا ”محبک ہے اتم جا سکتے ہو۔ اگر تم وعدے کے مطابق والپیں پہنچ جاتے ہو تو انی شراکٹ پر دوبارہ کام شروع کر دیں۔“ رام لعل نے شکریہ ادا کیا اور والپیں آگیا۔ اگلے روز اس نے اپنے سکھ دوست سے رقم اوحاد لی اور بذریعہ ریل لندن پہنچ کر بھارت جانے کے لیے نکٹ خرید لیا۔ اس طرح ۲۴ گھنٹوں کے اندر وہ بیمنی پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ ایک دکان پر پہنچا جہاں پالتو پر نہیں، سانپ اور دیگر جانور فروخت ہوتے تھے۔ اسے دراصل ایک چھوٹے سانپ کی تلاش تھی۔

وکاندار نے بتایا کہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ کل ہی میرے پاس ایک چھوٹا سانپ آیا ہے جو آر کھنہ اٹاگ (Saw Scaled) Viper (کھلاتا ہے۔ یہ سانپ مغربی افریقہ سے عرب، ایران، پاکستان اور بھارت کے خشک اور نم علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی ۱۵-۲۰ سینٹی میٹر تک، رنگ گہرا بھروسے

میکوٹن کو بھی مطلع کرتا ہوں۔“

وہ پھر پیدل سڑک کی طرف روانہ ہوا تاکہ یو تھے سے فون کر سکے۔ ایجو لینس کے پتچنے پر بل کیمرون کو ہبپتال پہنچا دیا گیا۔ وہاں ڈاکٹروں نے معاینہ کیا اور بتایا کہ ہبپتال پتچنے سے پہلے ہی اس شخص کی موت واقع ہو چکی۔ میکوٹن بھی پریشانی کے عالم میں ہبپتال پتچنے گیا۔ پہلیں اور مدداتی کارروائی میں چند روز لگے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق بل کیمرون کی موت قدرتی طور پر ہوئی۔ وجہ ماغ میں شدید اخراج خون تھا۔ عیسائی مذہب کے طریقے کے مطابق تدفین ہوئی جس میں اس کے خاندان، میکوٹن اور دیگر ساتھی بھی شریک ہوئے۔ رام لعل نے تدفین میں شرکت نہیں کی بلکہ وہ اس مقام پر جا پہنچا جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ گھاس میں کھڑے ہو کر دل ہی دل میں کچھ کہنے لگا ”اے زبردیلے سانپ! کیا تم میری بات سن سکتے ہو؟“ تم نے وہ کام کرو کھایا جس کے لیے تمھیں راجستان کی پہاڑیوں سے یہاں لایا گیا تھا۔ میرا اتفاق پورا ہو گیا۔ میرے مخصوصے کے مطابق تھیں کام کرنے کے بعد مر جانا تھا۔ کیا تم میری بات سن رہے ہو؟ ابھی نہیں تو کچھ عرصے بعد تم مر جاؤ گے۔ بغیر وادہ کے تمہاری نسل آگے نہیں چل سکتی کیونکہ آئرلینڈ میں کوئی سانپ نہیں پائے جاتے۔

وہاں کام شروع ہونے سے پہلے چائے کے دوران بل کیمرون نے پچکے پچکے دیگر لوگوں کو بھی بتا دیا کہ وہ اس کاٹے کے ساتھ کیا مذاق کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھیوں نے سوچا کہ یہ ایک بے ضر کیسا ہے، رام لعل کو کوئی لفڑان نہیں پکنے کا لہذا ایسے مذاق میں کوئی حرج نہیں۔ کھانے کے وقت میں سب لوگ حسب معمول دائرے کی شکل میں بیٹھے۔ رام لعل نے کچھ خیال نہ کیا لیکن باقی لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اب کیا ہو گا۔ اس نے اپنا لیچ باکس گھنٹوں پر رکھا اور سے کھلا۔ سینڈوچ اور سیب کے چیز چھوٹا سا نپ کنٹلی مارے بیٹھا تھا۔ رام لعل کی زبردست چیز سے علاقہ گونج اٹھا اور ساتھ ہی سب مزدور بے ساختہ زور دار تھیجتے لگائے۔ رام لعل نے گھبرا کر اپنا لیچ باکس زور سے ہوا میں اچھا دیل۔ سانپ اور سینڈوچ تمام چیزوں چاروں طرف گھاس میں گر پڑیں۔ رام لعل چیختے ہوئے کھرا ہو گیا اور بولا ”یہ سانپ بہت زبردیلا اور خطرناک ہے۔“ سب لوگ پھر سے بہنے لگے۔ رام لعل نے ان سے کہا: ”یقین کرو، یہ انتہائی زبردیلا سانپ ہے۔“ بل کیمرون کی آنکھوں میں ہستے ہستے آنسو آگئے۔

وہ رام لعل سے کہنے لگا: ”ماکے آدمی، تم تو بہت ہی بے دوقوف ہو۔ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ آئرلینڈ میں کوئی سانپ نہیں پایا جاتا۔“ بگ بلی ہستے ہستے کچھ تھک گیا تھا۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ سر کے پیچے رکھ گھاس پر لیٹ گیا کہ چند منٹ آرام کر لے۔ تب اسے معمولی جھجن کا بھی احساس نہیں ہوا۔ اس کی داہنی کالائی پر سوئی کی نوک کے برابر دو انتہائی پاریک سوراخ ہو چکے تھے۔ کھانا ختم ہو چکا تھا۔ سب لوگ کام کے لیے اٹھ گئے۔ عمارت توڑنے کا کام تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ سارا لمبہ ذہیر کی صورت میں پڑا تھا۔ دو گھنٹے بعد بل کیمرون نے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرا، اسے کچھ پسینہ آہا تھا۔ اس نے کچھ خیال نہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ہتھوڑا ہاتھ سے رکھا اور اپنے ساتھی سے کہا ”میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ میں ذرا دیر سایہ میں آرام کر لیتا ہوں۔“ پھر وہ درخت کے نیچے بیٹھا سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اس کے پورے جسم کو جھکا لا کر وہ چیچپے کی طرف الٹ کر گرا۔ سب سے پہلے برنس نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے پیٹرسن کو آواز دی اور کہا: ”بگ بلی بہت پیدا لگ رہا ہے۔ میری بات کا اس نے جواب بھی نہیں دیا۔“ سب مزدوروں نے کام چھوڑ دیا اور اس درخت کے پاس آگئے جہاں بل کیمرون زمین پر چڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں سکھ ہوئی تھیں لیکن ان میں زندگی کے کوئی آثار نہیں تھے۔ پیٹرسن نے رام لعل کو آواز دی کہ اوہر آٹو اور اسے دیکھو۔ تم طب کے طالب علم ہو، تمہارا کیا نہیں ہے؟ رام لعل کو کسی معاینے کی ضرورت تو نہ تھی لیکن پھر بھی اس نے جھک کر نہض دیکھی اور پیٹرسن سے کہا کہ یہ تو مر چکا۔ پیٹرسن نے کہا ”سب لوگ نہیں مخبر ہیں۔ میں ایجو لینس بلاہا اور ٹھیکیار

Ketchup Kombo

Love Ketchup? This Ramadan,
show us how much for a chance to win a

National

Gift Hamper!



پر لطف ترین شخص

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق



چارلی چپلن ایک لیجٹ آرٹسٹ تھا اس نے بہت کم عمر سے میں اپنی سوچ اور ملاجیتوں کے بل بوتے پر بہت کچھ پروڈیوس کرنے کے بعد دکھا دیا کہ دنیا میں ہر طرح کے انسان ہتھے ہیں اس کی کامیابی فلمیں صرف امنڑیتھت ہی نہیں بلکہ سبق آموز بھی تھیں اسکی فناہی آج بھی دنیا بھر میں کی جاتی ہے۔ تھیٹر، سچ شوز، سنیما اور ٹیلی ویژن نے نیا ٹرینڈ لا کر دنیا کو اپنا کھویدہ بنا لیا ہے لیکن ساتھ ساتھ آج بھی کئی لوگ ان چیزوں سے شدید نفرت کرتے اور آرٹسٹوں کو میراثی اور کثیر وغیرہ کہتے ہیں حالانکہ آرٹسٹ وہ کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتے ہوں انسان ہونے کے ساتھ اپنے اندر جذبات اور احساسات کا سمندر رکھتے ہیں اور آرٹسٹ سے نفرت کرنا انسانیت سے نفرت کرنے کے مترادف ہے۔ کئی برسوں تک سنیما میں اگرچہ ہر دور میں بہبیشہ کچھ نہ کچھ نیا دکھایا جاتا اور شاکنیں محفوظ ہوتے لیکن فی وی آئنے کے بعد انسانوں کی سوچ بکر بدل گئی کیونکہ چھوٹی سکرین پر ایڈوڈنائزگ کی بدولت دنیا کی ہر اچھی اور بُری شے نظر کی جانے لگی ایک طرف اگر معلومات کا خزانہ ہوتیں تو دوسری طرف کئی اننانوں کے لئے منفی بھی ثابت ہوتیں، ساتھ اور ستر کی دہائی میں فی وی پر ہر نی شے کو دیکھ کر ہر ایک کی زبان پر یہ ہوتا کہ دنیا کتنی ترقی کر گئی ہے، سامنے کتنی ترقی کر گئی ہے وغیرہ۔ مستقبل قریب یعنی دو ہزار پچیس تک سامنے دنیا میں نیا انقلاب آجائے گا آئے والے سات آٹھ برسوں کے اندر ہم کئی پرانی بیانے سے محروم ہو جائیں گے اور یہ ایسا ماہی کا حصہ کہا جائیں گی جیسے کہ آج کل ٹرانزسٹر یا ٹیپ ریکارڈر وغیرہ کا کہیں نام و نشان نہیں ہے آج کی جزویں نہیں جانتی کیسٹ ریکارڈر کیا ہوتا ہے۔ ہائی ٹیک یعنی ہائی میکنالوجی دنیا بھر میں پیڈیا ٹیکلے ہے اور ہر انسان کی ضرورت بھی بن گئی ہے کیونکہ جتنی ترقی کر رہی ہے انسان کیلئے سہولت پیدا ہو رہی ہے اتنی تیز رفتاری سے انسان ست اور ہنما ہوتا جا رہا ہے۔ لیکویڈ کریسل ڈیپلے جنہیں ایل سی ڈی ٹیلی ویژن کہا جاتا ہے جیسے ہر ایک طور پر اپنی مخصوص بناوٹ سے دنیا بھر میں مقام حاصل کر چکے ہیں اور موٹی تو نہ والے ٹی وی کو کچھے کے ڈیپلے یعنی ری سائیکلٹ کمپنیز کو واپس کر دیا گیا ہے آج ماہی کا حصہ بن چکے ہیں کیونکہ ایل سی ڈی ٹی وی بہت پتلے یعنی سادت ہونے کے ساتھ بہت کم جگہ لیتے اور آج کل بہت ارزان قیمت پر دستیاب ہیں اسکے باوجود گزشتہ برس ایل جی کمپنی نے مستقبل کیلئے ایک یا اٹی وی متعارف کروالیا ہے ہے اور اگاہ لائٹ ایمیٹنگ ڈاؤڈ یعنی او ایل ای ڈی کا نام دیا یہ نیا ٹی وی اپنی منفرد لائنس سے فناش کرے گا جس سے ازرجی کی بچت ہو گی اور آج کل کے فور کے ٹی وی سے زیادہ صاف و شفاف تصویر پیش کرے گا علاوہ ازیں یہ جیسے ایگزیٹ ٹی وی کا گانڈ کی طرف بدیک ہونے کیسا تھہ روں اور فوٹھ کیا جاسکے گا کمپنی کے ترجمان کا کہنا ہے اس ڈیلویوری یعنی وال ہیپرز کی موہائی اندازا دو سے تین ملی میٹر ہو گی متناطلی سٹم سے دیوار میں ایڈجسٹ کیا جاسکے گا عام استعمال کے لئے اس سال کے آخر میں مارکیٹ میں دستیاب ہو گا۔ لیڈی یا پیپل عالم بلب یا ازرجی سیور لیپس بہت جلد مارکیٹ سے ہٹا دے جائیں گے انکی جگہ پر کرنے کیلئے اولین یا پیپ دستیاب ایل جی کے ٹی وی سٹم سے کیا جا سکتا ہے معرف کمپنیز فلپس اور اوسرا میں جو کمپنیز ایک نیا سورچ میڈیا آج کل کے علاوہ یا اسی نی سٹکس پر تمام ڈینا منتقل کرنے کے بعد سورچ کیا جاتا ہے بجہ آئے والے برسوں میں یہ سب کچھ ناٹک ہو جائے گا اور اسکی جگہ بوکس، ایکسزروں اور گول کمپنیز ایک نیا سورچ میڈیا متعارف کروائیں گے جس میں وائی فائی سٹم کے تحت آن لیڈنڈ ڈینا سورچ کیا جائے گا۔ یکم کونزوولز گیمز کھیلے والے یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کونزوولز یا دیگر کونزوولز کے بغیر اپنی من پند یکم ایکس بوس یا اپلے سٹیشن پر کھیل سکیں لیکن مستقبل تربیت میں این وائی فیڈیو کمپنی کونزوولز فری کلاؤڈ یکم سٹم متعارف کروائے گی جس سے گیم کھیل جائیں گے کمپنی کی فورس ناؤن یکم سٹریٹنگ سروس کے ذریعے گیم کھیلے والوں کیلئے سہولت پیدا کرے گی علاوہ ازیں اپ لوڈ اور ڈاؤن لائیم سٹم کو جو کمپنی کھیل جائیں گے بیک یا ایڈپیٹ کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی، اپل کمپنی نے بھی کمپنی فری ایک نی میکنالوجی متعارف کروائی ہے جس سے تمام آلات کمپنی کی بخیر چارج کئے جائیں گے۔ ریبوٹ کنزوولز پر گرامنگ اور دیگر فناش کے لئے ریبوٹ کنزوول کی بجائے وائس سٹم سے تمام آلات فناش کریں گے اس سٹم کیلئے سینسور استعمال کیا جائے گا مثلاً ایکس بوس یا اپلے سٹیشن کو ٹی وی کے والیم سے منتک کرنے کے بعد وائس کنزوول سے استعمال کیا جاسکے گا۔ پلائس کارڈز اور پاس ورڈز سٹم بھی بہت جلد ختم کرنے کے بعد تمام ڈینا سادت فوٹز پر منتقل کرنے سے ہر قسم کی شاپنگ کی جاسکے گی بائیو یمیزک سینس اور ہائی ٹیک الافا ٹیک سٹم کے علاوہ فنگر پر ٹیش اور پھرے کی شناخت سے تمام عوالں باہمانی طے پائیں گے انسان ایک طرف کہتا ہے کہ سامنے ترقی کر رہی ہے جو میں اس سے فناکہ اٹھاتا چاہتے اور دوسری طرف سامنے انوں کو برا بھلا بھی کہا جاتا ہے۔ چارلی چپلن آج زندہ ہوتا تو بہترین ایکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم سامنے دان بھی ہوتا جو ہستے ہستاتے بہت کچھ دریافت کرتا اور لوگ اس کی تعریف بھی کرتے۔

1983ء میں ایسے پو گرام کو وائرس کا نام دیا گیا۔ 1985ء میں وائرس سے متعلق جملے پو گرام سامنے آئے جس کے نتیجے میں وائرس پو گرام کو ترقی ملی 1986ء میں بین وائرس (Brain Virus) سامنے آیا جو ایک سال کے اندر اندر ساری دنیا میں پھیل گیا۔ 1988ء میں ایک وائرس کا پتہ لگا جس نے پوری یونائیٹڈ اسٹیٹ میں تہلکہ چا دیا اور اسی طرح 1990ء کی دہائی میں اور اسکے بعد تک وائرس کی اقسام بہت ہی پیچھیہ ہو گئی۔

§§§

وائرس کا اثر انداز ہوتا

وائرس کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں؟ جیسا کہ اپہ بیان کیا گیا ہے کہ وائرس ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں منتقل ہوتے ہیں اور جب وہ اپنا کام شروع کر دیں تو پھر وہ کسی بھی فلیش ڈسک یا ہارڈ ڈرائیو جو ایک کمپیوٹر سمیں کا حصہ ہے ان میں منتقل ہو جاتا ہے۔



اور اس طرح سارے نیٹ ورک اور دوسرے کمپیوٹر میں خرابیاں پیدا کرنے لگ جاتے ہیں ایسے وائرس عام طور پر Professional Main Frame Systems میں زیادہ پائے جاتے ہیں کیونکہ ان پو گرام کو ہی زیز یا فلیش ڈسک کے ذریعے پھیلایا جاتا ہے۔ جو Personal Computers کمپیوٹر استعمال کرنے والوں کے کام آتی ہے۔ وائرس صرف اس وقت عمل پذیر ہوتے ہیں جب ان کے پو گرام کو استعمال کیا جائے لہذا اگر کوئی کمپیوٹر کی انفلکشن نیٹ ورک سے مشکل ہے ضروری نہیں کہ اس کمپیوٹر خرابی پھیلا ہو تاہم ایسے وائرس پو گرام میں جو کمپیوٹر یوزر کو لائق دے کر اپنا پو گرام استعمال کرواتے ہیں۔ اس کے بر عکس بعض ایسے وائرس ہیں جو کسی اپنے پو گرام کے ساتھ اچھے ہو جاتے ہیں لہذا جب ان پو گرام کو چلایا جاتا ہے تو وائرس بھی ایکٹو ہو جاتے ہیں۔

وائرس کی تاریخ

1949ء میں ہنگری کا ایک باشندہ جو امریکہ میں قیام پزیر ہو چکا تھا جینی (John Von Neumann) نے یورپی کی ایک انسٹی ٹیوٹ میں یہ ارادہ کیا کہ اس بات کا پتہ لگایا جائے کہ کیا کمپیوٹر پو گرام ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں خود بخود منتقل ہو سکتے ہیں یا نہیں لہذا 1950ء کی دہائی میں ایک ایسی کھیل بنائی گئی جس کے نتیجے میں اس کھیل کو کھینے والے چھوٹے چھوٹے کمپیوٹر پو گرام بناتے تھے جو اپنے حریف کے سمیں پر حملہ آؤ ہوتے تھے اور اسکے پو گرام کو مٹانے کی کوشش کرتے تھے۔

کمپیوٹر وائرس

مصنف: یوسف اقبال

کمپیوٹر وائرس (Computer Virus) اپنا پو گرام ہے جو اپنے آپ کو ایک Computer سے دوسرے کمپیوٹر میں داخل کرتا ہے اور جس میں بھی وہ داخل ہوتا ہے اس کے ہارڈ ڈرائیو یا سوفٹ ویر میں چھپتے چھلا کرتا ہے۔

وائرس کا کام

وائرس کو اس طریقہ سے ڈیڑائیں کیا جاتا ہے کہ وہ ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں منتقل ہوتے وقت یوزر کے علم سے نجی جائیں اور پتہ بھی نہ لگے کہ وائرس داخل ہو چکا ہے۔ جب وائرس کمپیوٹر میں داخل ہو جائے تو وہ کمپیوٹر کو اپنے کمزول میں لے لیتا ہے وائرس کی ان بدلیات کو جو کسی سمی کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے (Payload) کہا جاتا ہے تاہم (پے لوڑ) کسی بھی فال یا پیغام کو خراب کر دیتا ہے یا پھر اس کو بدل دیتا ہے۔ لہذا کمپیوٹر کا نظام خراب ہو جاتا ہے۔



اور بھی ایسے پو گرام ہیں جو کمپیوٹر پو گرام کے لئے نقصان دہ ہے لیکن ان میں یکسان طور پر یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں کہ وہ خود بخود ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر میں منتقل ہو جائیں اور پھر ان کا کھوچ بھی نہ لگایا جاسکے۔ لیکن پھر بھی ایسے پو گرام وائرس سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ کسی کھیل کی صورت میں آسکتے ہیں اور پھر اپنا کام دکھاتے ہیں ان میں سے بعض پو گرام ایسے ہیں جو اس وقت تک عمل پذیر نہیں ہوتے جب تک وہ ایک خاص تاریخ یا وقت کو نہ پائیں اور پھر کسی مخصوص حرفا کو یوزر ناٹپ کر کے ایسی بھی نقصان دہ پو گرام سامنے آتے ہیں جو اپنے آپ کو کاپنی کرتے رہتے ہیں بیہاں تک کہ ان کا جنم کمپیوٹر کی میموری پر حاوی ہو جاتا ہے اور اس طرح کمپیوٹر کا کام سست پر جاتا ہے۔

دس نکاتی صحت بخش منشور

مصنف: علی احمد



تخفیق کیا ہے۔ آپ کے سراپے میں اس نے کس قدر تباہ کے ساتھ تمام اعضا کو مکالم استعدادیں عطا کر دی ہیں۔ آپ اگر اپنے کو زیادہ دلکش اور جاذب نظر بنانے کے لیے اپنے پھرے پر مسکراہٹ طاری رکھیں تو آپ کو اس امر کے لالاعداد فونڈ حاصل ہوں گے۔ تاثرات سے خالی، سپاٹ، جیران و پیشان پھرے پر دنیا اور بھی لخت بھیجنی ہے۔ دنیا میں خود خوش رہنے، خوشیوں کو جذب کرنے، دوسروں میں لپٹ خوشیاں باشنا کے عمل میں کچی طہانتیت کاراز مضر ہے۔ اس ضمن میں پہلا قدم اور سبق یہ ہے کہ آپ اپنے پھرے پر کم از کم مصنوعی مسکراہٹ جھانا سیکھ لیں، یقیناً کئی مسائل حل ہو جائیں گے۔

ذہن سے کام لے کر کوئی قابل ذکر تخفیق کام کریں:

جس طرح باغ میں ہر پودا پھول دے رہا ہے، ہر پھول اپنی رعنائی، رنگ، ڈیزائن اور خوشبو کے غور میں جس طرح خوشی سے اہمایا رہا ہے۔ آپ بھی اپنے ذہن سے تغیری کام لے کر ہر بخت فارغ وقت ہمال کر کوئی تخفیق کام کیا کریں۔ عین ممکن ہے آپ کا تخفیق اور تخفیق کام دنیا کے لیے ایک مفید پروجیکٹ کی طرح مقبول ہو جائے اور اس کے باعث آپ کا کارنامہ تاریخی یاد گار اور اختراعی شاپکار کار درجہ حاصل کرے۔ جب آپ کسی تخفیقی سرگرمی میں مصروف ہوں گے تو آپ کے جسم اور ذہن میں کئی خوش کن تہذیلیاں رونما ہوں گی اور آپ ایک پراسرار مسرت، طہانتی، رقم اور تازگی کا بیان احساں پائیں گے جو آپ کے لیے ایک خوش کن تجربہ ہو گا۔

آنے والے ہر ”کل“ کے لیے پر امیدرہیں:

قدرت عالیہ کا بہت شکر ہے کہ وہ ہمیں ہر آنے والے کل کے ”حالات وہ واقعات کی آگئی“ سے بے خبر رکھتی ہے۔ یہ ”بے خبری“ تھیقیت میں ”نیختیت اور عافیت اور اطمینان“ کا خزانہ ہے اور ہر خوف اور اندریشوں سے نجات کا ایک خوبصورت بہانہ ہے۔ آپ آنے والے ہر ”کل“ کے لیے اپنی اچھی، روشن اور خوش کن امید رکھیں؛ اس امید کے باعث نہ صرف آپ کا ”آج“ نہیں بلکہ آپ کی یہ ”خوشی فہمی اور سن نظر“ آنے والے کل کے لیے حقیق خوشی کے حصول کی خوش ہمات ہے۔ آپ کا ہر ”آج“ کا دن خوشگواریت کے ساتھ گزرے گا تو آپ کے ماضی کا ہر گزرا ہوا ”کل“ بھی اچھی یادوں کا خزانہ بنتا جائے گا۔

§§§

اور اسے اپنے عمل، رویے اور طرز عمل سے اس کا برپا انہیں کریں۔ آپ کی شخصیت، لباس، سگر، دفتر اور آپ کے پورے ماحول میں جمالیاتی تاثر آپ کے ذہن، وقلب کو ہر وقت ترویزہ اور خوشگوار رکھے گا۔ آپ کو زندگی کا سچ لطف آنے لگے گا۔ آپ کی نفاست، عمدگی، شانگی، قرینہ، آداب اور کھ رکھاؤ دیکھ کر لوگ آپ پر رنگ کرنے لگیں گے، وہ آپ کے قریب تر ہو جائیں گے۔ آپ کے ہاطن میں ایک تفاخر اور اطمینان کا حس سمجھ لینے لگے گا اور آپ ایک روحانی خوشی محسوس کریں گے۔

سیر، تفریح میں باقاعدگی پیدا کریں :

آپ صبح کو ورزش اور سیر، شام کو پہلی قدی اور کوئی تفریح، ان چاروں سرگرمیوں کو آپ اپنے معمولات زندگی میں باقاعدگی سے شامل کر لیں اور ہر روز اس کی عملی طور پر پابندی کریں۔ ان مفید سرگرمیوں کی بدولت نہ صرف آپ جسمانی طور پر چست و چوندربیں گے بلکہ آپ قل و ہلق طور پر خوش، مطمین اور تازہ رہیں گے۔ آپ کی ہر نہاد بہتر طور پر جزو بدن بنتے گی اور آپ کو پسکون نیند آنے لگے گی۔ آپ کے اندر نئی انگل پیدا ہو گی، آپ کی قوت تخفیق کو جلا حاصل ہو گی اور آپ کے خیالات میں ثابت پہلو غالب آنے لگے گا۔

گائیکی اور رقص جیسی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیں :

آپ فونوں لطیف یا ٹافون مفیدہ سے ضرور تعلق رکھیں۔ آپ مصوری، پینٹنگ، گائیکی اور موسیقی یا رقص جیسے لطیف اور ذہنی جہالت مشاہد میں عملی دلچسپی لیں۔ یہ تفریجی سرگرمیاں نہ صرف آپ کے ذہن میں طہانتیت، سرورو اور سکون کی کیفیت میں اضافہ کریں گی بلکہ آپ جسمانی طور پر بھی چحتی اور خوشگواری محسوس کریں گے۔ آپ کی دن بھر کی معاشی کارکردگی پر اس مشغل کے خوش کن اثرات مرتب ہوں گے۔ آپ کے انداز فکر میں وسعت اور روشن خیالی کا عنصر عوど کارے۔

تازہ ہوا میں لبے لبے سانس لیں :

جس طرح موڑ کار پڑوں سے چلتی ہے، اسی طرح انسان آسکیجن سے زندہ رہتا ہے۔ یہ انتہائی شکر کی بات ہے کہ قدرت نے ہمیں آسکیجن سے پوتاہے ہوا ”مفت“ دے رکھی ہے۔ آپ قدرت کے شکر کے طور پر ہر روز صبح کے وقت کھلی فنا میں کم از کم پدرہ منٹ کے لیے لبے لبے سانس لینے کو اپنا لازمی معمولی بنالیں۔ اس عمل سے نہ صرف آپ کا نظام تنفس درست رہے بلکہ جسم کے تمام نظام بہتر طور پر کام کرتے رہیں گے اور ساتھ ہی سارا دن آپ کا ذہن بھی تازگی محسوس کرتا رہے گا۔ دن کے باقی حصے میں بھی جب بھی موقع ملے آپ پاٹی منٹ کے لیے یہ عمل کر لیا کریں۔

اپنے پھرے پر مسکراہٹ سجا کر رکھیں :

آپ کو قدرت عالیہ نے نہیں عمدگی کے ساتھ خوبصورت

اس قدر کام کریں کہ پہنچ آجائے: کھانی ہوئی نہاد کو بہتر طور پر جزو بدن بنانے کے لیے یہ امر نہیں ضروری ہے کہ آپ اپنے جسم سے خوب ڈٹ کرام لیں۔ باقاعدہ دوڑ بھاگ اور جسمانی کارکردگی اور سرگرمی کے باعث آپ کی نہاد (Consume digest) ہو کر اس کی زیادہ سے زیادہ اکائیں جزو بند بنیں گی۔ آپ اس قدر کام کریں کہ آپ کو پہنچ آنے لگے۔ کام کرنے کے دوران اور کام کر کچھنے کے بعد آپ کو ایک خوشگوار اطمینان کا حس حاصل ہو گا۔

کھانے کی مقدار کو کم کر دیں :

آپ صبح سے شام تک اپنے کھانے کی کل مقدار کو دو تہائی کر دیں لیکن یہ بھی متوالی طور پر اہتمام کریں کہ آپ تین کی بھاجے چھ بار غذا لیں۔ آپ ہر بار اپنی نہاد میں تمیاں طور پر تبدیلی لاں گے۔ کچی اور ادھ پکی سبزیاں، پھل، ڈرائی فروٹ، سلاو بیکٹ، انڈہ، گوشت، مچھلی، دالیں، اجنساں، تمام قسم کی غذاوں پر میں ایک ہفت اور چارٹ تیار کر لیں تاکہ آپ کو بہتر طور پر ”غذائیت“ حاصل ہو سکے۔ اس چارٹ پیلہ آپ جسم کے ضروری و نامن泽 اور پو میز پر میں غذاوں کی ترجیح دیں تاکہ آپ میں مطلوبہ توہانی کی مقدار ہمیشہ قائم رہے۔

اپنے جذبات و محسوسات کا کل کراچار کیجیے :

آپ اپنے چھرے اور طرز عمل پر سمجھیگی طاری نہ کریں، اس طرح نہ تو دوسرے لوگوں پر آپ کی ”دانوری“ کا رعب پڑے گا اور نہ ہی آپ کی اپنی ذات کو کسی بھی پہلو سے فالدہ حاصل ہو گا۔ آپ اپنی قلبی، جسمانی اور ذہنی کیفیات، جذبات اور محسوسات کا نہاد کھل کر کیا کریں۔ آپ کی زبان اور پھرے سے آپ کے قلب و ذہن کی حالت عیاں ہونی چاہیے۔ یہی کچی، کھڑی اور خالص حکمت عمدی ہے۔ آپ کے فنا، افراد خانہ، رشتہ دار اور شرکاء کا ر آپ کی ہر خوشی اور غمی میں برابر کے شریک ہوں گے۔ آپ واقعی محسوس کریں گے کہ وہ آپ کے کس قدر قریب میں اور آپ ”تھا“ نہیں ہیں۔

اپنے ذوق جہالت میں خوب اضافہ کریں :

آپ اپنے انداز کی جمالیاتی حس اور ذوق میں اضافہ کریں

مربوط ترقی کا راز

مصنف: سفیان خان

کرتا ہے جن میں مسئلہ کے حوالے سے کئی اهداف چھپے ہوئے ہوتے ہیں جن میں ملکی سالیت عالمی و پبلک بہتری وغیرہ شامل ہیں۔ افلاطون کے مطابق یہ تحکم ٹینکس سیاستدانوں کو سوچنے کا لاحر عمل اور مواد فراہم کرتے ہیں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ To Hep The Govt To Think کام کرتے ہیں۔ یہ تحکم ٹینکس ایسی آرمی کے طور پر جانے جاتے ہیں جو سوچ کو بدلتے ہیں جس کے نتیجے کے طور پر Actual Supermacy اور اس کے ذاتی امدادات پر ہی ختم ہوتے ہیں۔ اقوام متحده دراصل تحکم ٹینکس کی سوچ کی ہی ایک ٹکھل ہے۔ ان کی فارم پالیسی میں Supporting Role کا کام کرتے ہیں۔ یہ تحکم ٹینکس ایسی آرمی کے طور پر جانے جاتے ہیں جو سوچ کو بدلتے ہیں جس کے نتیجے کے طور پر Actual Supermacy اور اس کے ذاتی امدادات پر ہی ختم ہوتے ہیں۔ اقوام متحده دراصل تحکم ٹینکس کی سوچ کی ہی ایک ٹکھل ہے۔ ان کی فارم پالیسی میں Level Consistent پیارا جاتا ہے اور ان میں Clarity پائی جاتی ہے۔ جو کہ تحکم ٹینکس کی طرف سے تحکیل کردہ ہوتی ہیں لہذا صدور کی بدی اس میں کوئی فرق نہیں لا پاتی۔ یہ زیادہ تر خاص سطح پر کام کرتے ہیں جن میں حکومت، پرانیست، سیکر اور دیگر اہم گروپس اور اوارے شامل ہیں اور ان کی تحقیقات حفاظت پر منی ہوتی ہیں نہ کہ اپنی افرادیت پر۔ تحکم ٹینکس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اعلیٰ تعلیم یافت، محقق اور وسیع المطالع ہوتے ہیں یہ اپنے خیالات کو مخالف کرواتے ہیں جو تحقیق پر منی ہوتے ہیں۔ امریکہ میں سو شیل یونیورسٹیز میں بھی تحکم ٹینکس موجود ہیں جس میں وہ اپنی تحقیقیں پر منی ہوتے ہیں۔ امریکہ میں اپنی سفارشات متعارف کرتے ہیں وہاں یہ بہت عام کی بات سمجھی جاتی ہے کہ پروفیسر ایک دو سال کی چھٹی پر جا کر حکومت کے ساتھ کام کرتے ہے۔ دنیا کا پہلا تحکم ٹینک 1824ء میں امریکہ میں دی فرنٹل انسٹیوٹ Franklin Institute The کو خان The Society تحسین پیش کرنا اور ان کی ایجادوں کو بڑھانا تھا۔ دنیا کا پہلا سیاسی تحکم ٹینک D Fobian Fobian ہے جو برطانیہ میں 1884ء میں قائم ہوا۔ تحکم ٹینک کی باقاعدہ اصطلاح RAN Corporatio کی مدد سے نکلی ہے جس نے امریکہ کیلئے سڑیجک سوچ و بچار کا محفوظ ماحول فراہم کیا۔ دوسری جگہ عظیم کے بعد اس طرح کے اوارے دنیا بھر میں پھیلنے لگے اور اب 197 ممالک میں تحکم ٹینک موجود ہیں۔ 2015ء کی رپورٹ کے مطابق 1835ء کی تعداد کے ساتھ امریکہ پہلے نمبر پر، چین 435 کی تعداد کے ساتھ دوسرا جبکہ برطانیہ 288 کی تعداد کے ساتھ تیرسے نمبر پر ہے۔

ان ترقی یافتہ ممالک کی پوزیشن سے ان کی ترقی و بقاء و خوختاریت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ پاکستان میں اس طرح سے تحکم ٹینکس موجود نہیں اور نہ ہی ریاستیں اس طرح سے ان سے مستفید ہو رہی ہیں۔ حالانکہ حکومتیں ان کی اہمیت و نویعت سے بخوبی آشنا ہیں اور انہیں کسی حد تک اہم بھی گردانتی ہیں مگر ابھی ان کی وہ Capacity ہے یہ معاملات پاکستان میں ابھی پچیدہ ہیں جب تک تعلیم کو اہمیت نہیں دی جائے گی کوئی تینی صورتحال نہیں کوئی جائیں۔ کوئی معمون میں بھی ہیں تو اور اہمیت نہیں دی جائے گی کوئی تینی صورتحال نہیں کوئی جائیں۔ Awareness کی وجہ سے اس وقت دنیا کے Anti State Deal کرنا جانتے ہیں یہاں اس طرح کی ترقی کی مدد میں اس طرح کی ترقی کی وجہ سے اس وقت دنیا کے ہے۔ یہ صرف Anti Govt لوگوں کو کوئی مقاصد و ہدف نظر نہیں آتے اور نہ پاکستان کیلئے کوئی ایک Crisis زیادہ Govt کا خطرہ ہے۔ کوئی مقاصد و ہدف نظر نہیں آتے اور نہ پاکستان کیلئے کوئی ایک Direction ہے جتنے لوگ اتنی ہی پالیسیز ہیں۔ پاکستان کے سروے باہر کی کپنیاں بیٹھ کر کر رہی ہیں Rating باہر کی جاتی ہے اور پالیسیاں بھی باہر سے بن کر آتی ہیں۔ پھر ایسے میں پاکستان کس حد تک کامیابی کی طرف جا سکتا ہے جب بیرونی تحکم ٹینکس پاکستان کیلئے کام کریں گے تو وہ پہلے اپنے مفادات کو پورا کریں گے اور پھر کہیں امدادی کارروائی کریں گے۔



خلافاً و راشدین کے پادشاہوں کے درباروں تک صلاح و مشورے اور پبلک پالیسی کے سلسلے میں کیا جانے والا مشاورت کا سفر منازل طے کرتا ہوا آج کی جدید دنیا میں تحکم ٹینکس کی صورت اختیار کر چکا ہے جس سے نا صرف حکومتیں بلکہ افراد و کاروباری اوارے بھی مستفید ہو رہے ہیں۔ پوری دنیا کے معماش و اقتصادی معاملات کو ایک سرکلر میں چکنزا ہو یا تہذیبوں کا کامکڑا کرانا ہو یا دنیا کی جگلکوں کو ڈائیاگز کی مدد سے جیتنا ہو یا پھر دنیا کو Dominant کرنے کی پلانگ ہو یا پھر مختلف نظریات رکھنے والوں کو خانہ جگی میں الجھا کر اپنے عوام کو پورا کرنے کی جگہ تو ان تمام مقاصد کے حصول کیلئے امریکہ سمیت پوری مغربی دنیا جس قوت کی تھیں ہے وہ تحکم ٹینکس ہی ہیں جس میں مختلف Fields Of Life کے مکاتب فلر مل بیٹھ کر کسی ایک مسئلہ کے حوالے سے مشاورت کرتے ہیں اور اپنی سفارشات کی روشنی میں حکومتی اداروں کو فراہم کرتے ہیں انہی سفارشات کی روشنی میں حکومتیں پالیسیاں بناتی ہیں اور پھر متانگ دنیا دیکھتی ہے۔ عالمگیریت کے اس دور میں بقاء ترقی اور اختیار صرف ان ہی کو حاصل ہیں جو علم، تجربہ اور مہارت کی بنیاد پر مرتب کردہ مشوروں کو اپنی قابل اور طویل المدى پالیسیوں کا حصہ بناتے ہیں اور ان کے تسلیل کو جاری رکھتے ہیں میں مشاورت کا یہ عمل آج دنیا میں 6846 تحکم ٹینکس کی شکل میں موجود تحقیق اور حفاظت کی پرکھ سے حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں پالیسی سازی کرتے ہیں اس طرح کئی ممالک تو ترقی کی راہ میں کہیں آگے نکل گئے ہیں تو کئی ابھی راستے کی ٹھوکریں کھارہے ہیں۔ امریکہ پھر پادر ہونے کی حیثیت سے اس وقت دنیا کے 27 فیصد تحکم ٹینکس رکھتے ہوئے سب سے آگے ہے اس ترقی کی دوڑ میں سب کو پیچھے چھوڑتے ہوئے یہ اپنے حکومتی معاملات سے سوسائٹی اور میڈیا کی مشاورت و رہنمائی اور معلومات تک کی رسائی کیلئے ان سے استفادہ کرتا ہے اور ان کے مشوروں کو انتہائی قدر و قیمت کی لگاہ سے دیکھتا اور اپنی پالیسیاں انہی کی روشنی میں ترتیب دیتا ہے۔ اس کے بر عکس ترقی پذیر ممالک خصوصاً وطن عزیز میں تحکم ٹینکس سے استفادہ کی صورتحال کوئی اتنی حوصلہ افزایی نہیں۔ دراصل تحکم ٹینکس پبلک پالیسی کی تحقیق اور تجربیہ میں مصروف ایسے اوارے ہیں جو مقامی اور بین الاقوامی مسائل پر پالیسی، تحقیق، تجربیہ اور صلاح و مشورے دیتے ہیں۔

اس کی تعریف کچھ اس طرح سے کی گئی ہے کہ افراد کا ایسا گروہ جس کو پیسے دیئے جاتے ہیں کچھ نہیں کرنے کے سوابے پڑھنا Discuss کرنا، سچنا اور لاحر عمل تیار کرنا۔ یہ ایک ایسی ریمریچ یونیورسٹی ہے جس میں نہ شاگرد ہیں اور نہ اسٹاد صرف ریمریچ اور ریمریچ ہوتی ہے جو ان کا بنیادی Findings مقصد ہوتا ہے۔ ان کا بنیادی کام حکومت کو اندروائی و بیرونی مسائل کے حوالے سے اپنی اور معلومات بذریعہ میڈیا، کانفرنس، آرکیٹائز اور کتابوں کی صورت میں فراہم

Careem

GETTING LATE FOR A MEETING?

Book a hassle free ride



Download on the
App Store

Google play

www.careem.com/app

ARIEL PAKISTAN'S BEST
STAIN REMOVAL IN **1 WASH***



ارب ڈالرز تک پہنچ گئے تھے مگر حکومت کی مصنوعی پالیسیوں اور مسلسل گرفتی ہوتی برآمدات و مسلسل بڑھتی ہوتی درآمدات کے سب سات اپریل 2017 کو زمرہ بالہ کے ذخیرہ میں 2.28 ارب روپے کی کمی ہو چکی ہے۔ حکومت کی ان ہی مصنوعی اور زینتی حقوق سے غیر مطابقت رکھنے والی معاشی پالیسیوں کی وجہ سے گذشتہ دونوں سترہ اپریل 2017 کو ثیڈ ڈیپلٹ اتحادی اف پاکستان جس کا کام ہی پاکستان کی برآمدات بڑھاتے کے سربراہ اور ممتاز صنعتکار محترم ایش ایم میر صاحب نے اپنے اعزاز میں منعقدہ ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے اکٹاف کیا کہ انہوں نے اپنا استغفاری وزیر اعظم پاکستان محترم میاں محمد نواز شریف صاحب کو پہنچ کر کے اپنے عہد سے سکدوں ہو گئے ہیں کیونکہ اسکے مطابق وزیر اعظم محترم میاں نواز شریف اور وزیر تجارت خرم دشیر خان کے چلنے کے باوجود یہ وکریں تاجریوں و صنعتکاروں کا ساتھ نہیں دے رہی جس کی وجہ سے پاکستان کے برآمدات کنڈنگان کے 300 ارب روپے کے رخصانہ اب تک واپس نہ ہو سکے ہیں اور ہماری بڑی مشتبہ تباہی پر مرتب فاکلوں کو کامرس منشی نے گھمایا ہے جبکہ ایک لیکس و سیلز لیکس کے البارہ تاجریوں و صنعتکاروں کو ہراس کر رہے ہیں اس لئے ان حالات میں جب میں تاجریوں و صنعتکاروں کے مفاد میں کوئی کام کرنے سے قاصر ہوں اس لئے میرا اس عہدے پر رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ کوئی بھی ملک ایڈھاک ازم اور مصنوعی اندعاوں شار کے سہارے معاشی استحکام حاصل نہیں کر سکتا اور اس کیلئے سب سے پہلی اور نہیں ضرورت ٹیم ورک کی ہوتی ہے جو علماء اور بینائی مخلص ہو گر پاکستان کی معاشی تاریخ گواہ ہے کہ اسکے معاشی، اقتصادی، پلائلگ اور منسوبہ ساز اداروں میں بیٹھے افراد گذشتہ پہنچیں سالوں سے اپنے بیداری آقاویں اور اسکے مقاصد کو پورا کرنے میں مگن ہیں اور حکومتیں اور وزراء آتے جاتے رہتے ہیں مگر وہ تمام افراد خطرخ کے کھلی کی طرح کبھی ایک بیٹے سے دوسرا سیٹ پر براجاہن ہو کر پاکستان کی معیشت کا بیڑہ غرق کرنے میں لگے ہوئے ہیں جس کی عملی صور تحال یہ ہے کہ ہم اپنی برآمدات اور پیداواری شےجے میں ترقی یافتہ ممکن تو کیا اپنے خطے میں موجود ممالک جو رقبے، آبادی اور قدرتی وسائل میں بھی ہم سے بہت کم ہیں وہ بھی ہم سے کہیں زیادہ ترقی کر سکے ہیں جیسا کہ بگھے دیش کی برآمدات تقریباً 38 ارب ڈالرز یعنی پاکستان سے تقریباً دنیٰ میں اور درآمدات تقریباً 40 ارب ڈالرز میں یعنی مالیاتی خارجہ صرف تقریباً 2 ارب ڈالرز ہے جبکہ بگھے دیش پر بیداری قرضے کا بوجھ 36 ارب ڈالرز ہے جوکہ اسکی بھی ڈی سی پی کا صرف 14 فیصد بنتا ہے۔ اسی طرح تھائی لینڈ کی برآمدات 215 ارب ڈالرز اور درآمدات 203 ارب ڈالرز میں یعنی مالیاتی خارجہ بالکل نہیں ہے جبکہ تھائی لینڈ پر بیداری قرضوں کا بوجھ 15 ارب ڈالرز ہے جو اسکی بھی ڈی سی پی کا 39

اگلے دس سالوں میں بڑھ کر 2000 میں 38.9 ارب ڈالرز تک جائے گا۔

اسکے بعد اگلے دس سالوں میں بیداری قرضے میں کمی ہوتی رہی جیسے 2001 میں 38 ارب ڈالرز ہوا اور پھر 2002 میں 31.5 ارب ڈالرز کی سطح پر پہنچا جس کے بعد بدتریج اضافے

کا روحان اب تک جاری ہے 2011 میں 57.21 ارب ڈالرز، 2012 میں 61.83 ارب ڈالرز، 2013 میں 56.19 ارب

ڈالرز اور اب مرکزی بینک کی مارچ 2017 کی رپورٹ کے مطابق پاکستان پر بیداری قرضوں کا بوجھ 70.65 ارب ڈالرز ہو چکا ہے جوکہ پاکستانی روپے کے مقابلے 7403.6 ارب روپے بتا ہے جس میں بیداری اور اسکے مطابق 365 ارب روپے اور قرضوں پر سود کی رقم کی ادائیگی شامل نہیں ہیں۔ اسکے علاوہ پاکستان پر اندرونی قرضوں اور ادائیگیوں کا بوجھ بھی بڑھتا ہوا

14192.6 ارب روپے کی سطح پر پہنچ گیا ہے۔ یعنی کل ملا کر پاکستان پر اندرونی و بیداری قرضوں اور ادائیگیوں کا بوجھ 23143 ارب روپے یعنی 220 ارب ڈالرز سے زائد ہے جوکہ پاکستان کی بھی ڈی سی پی کا 80 فیصد سے زائد بختا ہے۔ الیہ یہ ہے کہ گذشتہ چار سالوں سے موجودہ حکومت ملک کی معیشت کو ایک مختلف معیشت کے سریشیک مخفف مالیاتی اداروں سے لے رہی ہے اور زمرہ بالہ کے ذخیرے میں اضافہ کو اپنی سب سے بڑی کامیابی قرار دے رہی ہے مگر اندعاوں شار کے ہیر پھیر سے معیشت ملجم نہیں ہو سکتی کیونکہ 2005 میں پاکستان میں زمرہ بالہ کے ذخیرے 12.58 ارب ڈالرز تھے جبکہ اس وقت ہم پر صرف بیداری قرض 33.92 ارب ڈالرز تھا گر اب جبکہ زمرہ بالہ کے ذخیرے 21.74 بھی اس تناسب سے 70 ارب ڈالرز سے زائد ہو چکا ہے۔ اسکے ساتھ برآمدات میں بھی پائچ ارب ڈالرز کی کمی آچکی ہے اور درآمدات میں اضافے کے ساتھ مالیاتی خارجہ بھی خطناک حد تک بڑھ چکا ہے۔ جیسا کہ 2000-1 کے مالی سال میں ہمارا مالیاتی خارجہ 1.52 ارب ڈالرز تھا جو کہ 2015-16 میں بڑھ کر 23.96 ارب ڈالرز تک پہنچ گیا تھا اور اب مرکزی بینک کے مطابق جولائی 2016 سے مارچ 2017 کے نو ماہ ہماری برآمدات 15.12 ارب ڈالرز اور درآمدات 38.5 ارب ڈالرز ہونے کی وجہ سے مالیاتی خارجہ 23.38 ارب ڈالرز ہو چکا ہے اس لئے میں سمجھتے ہیں قاصر ہوں کہ برآمدات میں کمی، درآمدات اور مالیاتی خارجہ میں اضافے اور اندرونی و بیداری قرضوں کے بڑھنے کے باوجود ملکی معیشت ملجم و مضبوط کیسے قرار دی جاتی ہے؟ کیا صرف بیداری مالیاتی اداروں کے مستحسن سریشیک اور قرضوں و بیک کی آمد سے زمرہ بالہ میں مصنوعی اضافے کو کامیاب سمجھا جاسکتا ہے؟ کیونکہ زمرہ بالہ کے ذخیرے اکتوبر 2016 میں تاریخی بلندی یعنی 24.025

معاشی سفر کے تضادات

مصنف: سفیان خان



بگھے دیش جو ہم ہی سے الگ ہوا تھا 1972 میں اسکی بھی ڈی سی پی کی شرح نامومنی 13.97 فیصد تھی مگر آج اسکی شرح نموثابت 7.1 فیصد ہے۔ 1972 میں بھارت کی شرح نامو 1.643 تھی مگر آج اسکی شرح نمو 8.2 فیصد ہے جبکہ آج پاکستان کی شرح نمو 4.7 فیصد ہے اسی طرح 1979 تک چین کی معاشی حالت بھی تباہی کا شکار تھی مگر سمت کے تین میں اس سمت پر نیک نیتی اور جاگاثنی سے عمل کرنے کے سب آج چین دنیا کی سب سے مضبوط معاشی طاقت ہے پکا ہے۔ اسکے علاوہ 1984 تک تھائی لینڈ میں بھی معاشی حالات کچھ زیادہ بہتر نہ تھے اور تھائی بھات مسلسل گروہ کا شکار تھا مگر اب تھائی لینڈ 404.82 ارب ڈالرز کی بھی ڈی سی پی کے ساتھ انہو نیشاں کے بعد ساتھ ایسٹ ایشیا کی سب سے بڑی معاشی طاقت ہے۔ مگر پاکستان کا الیہ یہ ہے کہ تم آگے بڑھنے کے بجائے بچپن کی جانب گامزن ہیں جبکہ ہمارے ارباب اختیار پاکستان کو دو سالوں میں ملک کو دنیا کی پہنچرہوںیں بڑی معیشت بنانے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور پہنچ کی شرح کو میں فیصد سے زیادہ کرنے کے دعوے کر رہے ہیں۔ مگر حقیقتاً قرض زدہ، بھیک کے سرہے ورق میں لپٹی ہوئی اور مختلف عطیوں سے مطر معیشت کو ہم خود انحصاری کے مصنوعی الپادے میں پیش کر رہے ہیں اور نادیدہ زنجیبوں میں لپٹی معیشت کو آزاد و خود مختار بنانے کے نزدے لگا رہے ہیں جبکہ لیکس کے دارہ کار کو بڑھانے، نئے پیداواری شعبوں کو وسعت دینے اور بیداری سرمایہ کاری میں اضافہ کرنے کے بجائے ہماری مختلف حکومتیں اندرونی و بیداری قرضوں کے حصوں، بیرون ملک مقيم پاکستانیوں کی ترسیلات پر انحصار کر کے ہی اپنے منسوبے بناتی رہی ہیں بلکہ اب تو حد یہ ہو گئی ہے کہ اس وقت ایئر پورٹ، موٹر وین اور سرکاری عمارات کو گردی رکھ کر قرضوں کے بوجھ کو بڑھایا جا رہا ہے۔ قیام پاکستان سے پاکستان قرضوں میں ڈوبا ہوا یعنی تھا لیکن گذشتہ پہندرہ میں سالوں میں پاکستان زیادہ مقروض ہوا ہے۔ 1990 میں پاکستان پر بیداری قرضہ 20.9 ارب ڈالرز تھا جو

فیض بنا ہے اس لئے ہمیں اپنے ملکی زمینی حقوق اور وسائل کو
مد نظر رکھتے ہوئے حقیقی معاشی ترقی کیلئے اقدامات اٹھانے چاہیے
کیونکہ اگر ہم اخلاص اور نیک نیت سے ثابت معاشی سست کا قیمن
کر کے قدم بڑھائیں تو ہم ان مالک سے کہیں آگے نکل سکتے
ہیں کیونکہ نہ ہمارے ملک میں وسائل کی کمی ہے، نہ افرادی تو
ت کی اور نہ ہی قابلیت کی۔ اس طرح ہم قرضوں و بھیک کی
پیاسکی کو توڑ ہم اپنے ہی وسائل سے اپنے قدموں پر کھڑے
ہو سکتے ہیں۔



اُتھلیکس

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

نے ان مقابلوں میں 13 تخفہ حاصل کیے۔ 1955ء میں انہوں نے استھن میں ورلد ملٹری گیمز میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ 1956ء میں انہوں نے دہلی میں منعقد ہونے والے آٹھلیکس مقابلوں میں 100 اور 200 میٹر کے ایونٹ میں ایشین گیمز کا نیا ریکارڈ قائم کیا، انہوں نے اس موقع پر دو طلاقی تخفہ جیتے۔ برلن میں ورلد ملٹری گیمز میں حصہ لے کر تین کانٹی کے تخفہ حاصل کیے۔ 1956ء میں میلبدور میں منعقد ہونے والے اولپکس گیمز کے موقع پر ان کا کھیل عروج پر تھا وہ ان مقابلوں میں 100 اور 200 میٹر کی دوڑ میں سیئی فائل مرحلے تک پہنچ گئے تھے لیکن فائل میں پہنچنے میں ناکام رہے۔ انہوں نے چوتھی پوزیشن حاصل کی اور تخفہ کی دوڑ سے باہر ہو گئے۔ 1958ء میں ٹوکیو میں ایشین گیمز کے موقع پر انہوں نے ایک طلاقی، ایک چاندی اور ایک کانٹی کا تخفہ حاصل کیا۔ ڈبل ایمپار گیمز میں وہ تیر سے نمبر پر رہے اور انہوں نے کانٹی کا تخفہ حاصل کیا۔ قابوہ میں ہونے والے ایتھلیٹ مقابلوں میں کبھی ان کی کارکردگی بے مثال رہی اور انہوں نے ان مقابلوں میں دو طلاقی تخفہ حاصل کیے۔ 1962ء میں ہالینڈ میں منعقد ہونے والے ورلد ملٹری گیمز میں انہوں نے کانٹی کا تخفہ حاصل کیا۔ اپوہ ملائکیا میں بین الاقوامی آٹھلیکس چیپپن شپ میں انہوں نے ایک کانٹی کا تخفہ حاصل کیا۔ 1962ء میں جکارتہ میں جکارتہ میں منعقد ہونے والے ایشین گیمز میں ہالینڈ میں فائل مرحلے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے لیکن فائل میں ہاد گئے۔ ان کا شمار پاکستان کے ان کھلاڑیوں میں ہوتا ہے، جنہوں نے آٹھلیکس کے کھیل میں پاکستان کو نمایاں مقام دلوایا۔

لیاقت علی

لیاقت علی کا شمار بھی پاکستان کے باصلاحیت آٹھلیکس میں ہوتا ہے۔ وہ پاکستان آری کی جانب سے آٹھلیکس مقابلوں میں شرکت کرتے رہے اور اپنے ملک کو اس کھیل یہاں عالمی مقام دلوائے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے اپنے کیریئر کی ابتداء تو ۱۹۴۸ء میں آٹھلیکس چیپپن شپ کے مقابلوں سے کی اور ۲۰۰۹ء میں تو چیپپن کا اعزاز حاصل کیا۔ ۲۰۱۰ء میں ساٹھ ایشین گیمز میں کانٹی کا تخفہ جیتا۔ ۲۰۱۲ء میں سر او اولپکس کے مقابلوں میں انہوں نے پاکستان کی نمائندگی کی اور انہیں ”وانڈل کارڈ“ کا اعزاز ملا۔ انہوں نے اس ٹورنامنٹ میں مردوں کی 100 میٹر کی دوڑ میں چوتھی پوزیشن حاصل کی۔ وہ ۲۰۰۹ء اور ۲۰۱۳ء میں عالمی آٹھلیکس چیپپن شپ میں پاکستان کی نمائندگی کرچکے ہیں۔ ۲۰۱۳ء کے سیٹ گیمز میں انہوں نے شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

حیدر علی شاہ

پاکستان کے ماہی ناز ایتھلیٹ ہیں جنہوں نے ۲۰۱۶ء کے روپ او اولپکس میں پاکستان کے لیے واحد جب کہ کسی بھی او اولپکس مقابلے کا پہلا تخفہ حاصل کیا۔ انہوں نے

سٹھ پر پذیرائی نہ ہونے کے باعث انہوں نے اس کھیل سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ماضی میں کئی آٹھلیکس نے بین الاقوامی ٹورنامنٹ میں شہرت حاصل کی لیکن گزشتہ ایک عرصے سے یہ کھیل زیوں حالی کا شکار ہے۔ ۵۰,۶۰ اور 70 کی دہائیوں میں پاکستان کے آٹھلیکس کامیابیوں کے باب رقم کرتے رہے جب کہ ایشین آٹھلیکس پر کھیل کی مدت حکم رانی قائم رہی۔

1948ء میں پاکستان کی آٹھلیکس ٹیم نے لنڈن میں 14 ویں

او اولپکس گیمز میں حصہ لے کر اپنے بین الاقوامی سفر کا آغاز کیا۔

1952ء میں بر سلو میں ہونے والی کراس کنزی ملٹری ریس میں

پاکستان کے پانچ رکنی دستے نے شرکت کی۔ اس ریس میں

9 ممالک کے آٹھلیکس نے شرکت کی اور پاکستان اس میں

چوتھی پوزیشن حاصل کی۔ 1952ء میں بھلکی میں ہونے والے

15 ویں او اولپکس گیمز میں پاکستان کے 18 رکنی دستے نے شرکت

کی جس میں 4 بیشنیں بھی شامل تھے۔ پاکستانی آٹھلیکس دوسرے

مرحلے سے آگے نہیں جا سکے۔ 1952ء میں لنڈن میں سہ ملکی

مقابلے منعقد ہوئے جن میں پاکستانی کھلاڑیوں نے بھی حصہ لیا

اور ان میں ان کی کارکردگی بہتر رہی۔ 1954ء میں میلہ، فلپائن

میں ہونے والے دوسرے ایشین گیمز میں پاکستانی آٹھلیکس نے

او اولپکس تھروں کو بروئے کار لا کر کر مہارت کا مظاہرہ کیا۔

1954ء میں ویکتور میں منعقدہ چیپپن شپ میں پاکستانی

آٹھلیکس کے 9 رکنی دستے نے شرکت کی اور پاکستان نے شرکت کی

او اولپکس تھروں کو بروئے کار لا کر کر مہارت کا مظاہرہ کیا۔

اس وقت تک یہ تنظیم اٹر نیشنل اسکیچر آٹھلیکس فیڈریشن کے

نام سے جانی جاتی تھی۔ 2001ء میں اس کا نام تبدیل کر کے

اٹر نیشنل آٹھلیکس الیوسی ایشن فیڈریشن کر دیا گیا۔ اس کے زیر

اهتمام آٹھلیکس کی عالمی چیپپن شپ کا العقاد کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں آٹھلیکس کا کھیل 1948ء سے شروع ہوا، 1951ء

میں آٹھلیکس فیڈریشن آف پاکستان کا قیام عمل میں آیا ہے۔

اٹر نیشنل الیوسی ایشن فیڈریشن کی طرف سے منظوری دی گئی۔

1962ء میں اس کی مجلس منظمه کے پہلے انتخابات کا انعقاد ہوا

جن میں جس اے آر کارنسیس پہلے صدر اور اے یو ظفر

سکریئر منتخب ہوئے۔ اب موجودہ صدر میمحن جزل محمد اکرم

سماہی ہیں۔ مذکورہ تنظیم ایشن آٹھلیکس الیوسی ایشن اور آئی اے

اے ایف سے الحاق شدہ ہے۔ پاکستان آٹھلیکس نے 50 سے

70 کی دہائی میں عالمی سٹھ پر نمایاں کارنے انجام دیئے۔

1970ء سے 1977ء تک محمد یونس نے ہلائی تھی اور

اعزازات جیتی، وہ ایشین چیپپن بھی رہے۔ ماضی میں اس کھیل کو

سرکاری سرپرستی بھی حاصل رہی لیکن حالیہ برسوں میں اے نظر

انداز کیا گیا، باصلاحیت کھلاڑیوں کو او اولپکس اور عالمی چیپپن شپ

چیزے اہم ٹورنامنٹ کے لیے تیار کرنے کی بجائے ان کی اس حد

تک حوصلہ بھی کی گئی کہ انہوں نے اس کھیل سے ہی کنارہ

کشی اختیار کر لی۔ نیم حمید کو 2010ء، ساٹھ ایشین گیمز میں

جنوبی ایشین گیمز میں جنوبی ایشین کی تیز دوڑنے والی خاقون

آٹھلیکس ہونے کا اعزاز حاصل ہوا، لیکن ملکی

چائے کی روایت کی ٹھوس شکل

گورنمنٹ نیشنل اسٹریٹ ڈیپویٹ سے ہی تو یہ سب کا جگہ
اور اپ اسی روایت کو میں دارے دی ہے ایک ٹھوٹ ٹھوٹ
پیش ہے جیسا کہ دارا کا بڑا پکیٹ۔ نتیجہ تباہ، نتھرا میں کم ادیا گیو ہی۔
کیونکہ جائے کی روایت کو پتا دل دے دے بہتر ہوئے ہیں جاتا۔



اپنی ریٹائرمنٹ تک قومی چیپین شپ کے مقابلوں میں ہر سال حصہ لیا اور پہلی و دوسری پوزیشن حاصل کرتی رہی۔ جب پاکستان ۴ تھیلیک فیوریٹ نے 2010ء میں ڈھاکا میں ہونے والے سیف گیمز کے لیے خواتین کھلاڑیوں کا انتخاب کیا تو ان کی نظر آرمی کی انتخاب اور وہیں قومی چیپین، نیم حمید پر بھی پڑی، اور انہیں سماوتح اشین گیمز کے لیے خواتین انتھیلیکس کے دستے پیش شامل کر لیا گیا۔ سیف گیمز میں ان کی کارکردگی بے مثال رہی اور انہوں نے 100 میٹر کی دوڑ جیت کر نہ صرف طلاقی تمحض حاصل کیا بلکہ انہیں انتھیلیکس ایسوی اشین کی جانب سے ”اپرٹر کوئین آف اشین“، کام خطاب بھی دیا گیا۔

پاکستان والہی پر اس وقت کے صدر سید آصف علی زرداری نے ان سے ایوان صدر میں ملاقات کی، اس موقع پر انہوں نے نیم حمید کو ”پاکستان کے کھیلوں کی سفیر“ کی حیثیت سے تعیناتی، دس لاکھ روپے نقد انعام اور کرایجی میں ڈپنس کے علاقے میں ایک فلیٹ دینے کا بھی اعلان کیا جب کہ اس وقت کے وزیر اعظم، یوسف رضا گیلانی کی طرف سے بھی 10 لاکھ روپے کے انعام کا اعلان کیا گیا۔ وہ اس پڑیرائی سے اتنی متاثر ہوئیں کہ انہوں نے اپنی نگاہیں 2012ء کے اوپر گیمز کی طرف مکروز کر دیں۔ صدر پاکستان کے اعلانات میں سے انہیں ”طلاقی تمحض“ کے عوض دس لاکھ روپے تو ادا کر دیے گئے لیکن صدر اور وزیر اعظم کی جانب سے کیے جانے والے دیگر اعلانات یورڈ کریں کی وجہ نظری کا شکار ہو گئے، نہ توان کی کھیلوں کے سفیر کی حیثیت سے تعیناتی کا پروانہ جاری کیا گی اور نہ ہی نقد انعام اور رہائش فلیٹ ملا۔ 2012ء میں پشاور میں منعقد ہونے والے قومی کھیلوں میں انہوں نے 100 میٹر کی دوڑ جیت کر طلاقی تمحض حاصل کیا، اسی سال انہوں نے اپنی مصروفیات کی وجہ سے نہ صرف ۴ تھیلیک کے کھیل بلکہ آرمی کی ٹیم سے بھی ریٹائرمنٹ کا اعلان کر دیا۔ میں الاؤنیٹی فیوریٹ، اندر وون و یرون ملک بے شمار تمحض اور اعزازات جیتنے والی نیم حمید کو اپرٹر کوئین کی حیثیت سے ملے والی شہرت کے باعث کھیلوں کی سرپرستی کرنے والی محیر شخصیات سے اتنا مالی تعاون حاصل ہو گیا کہ انہوں نے اپنے علاقے میں غائب بچوں کی ۴ تھیلیک و دیگر کھیلوں میں تربیت کے لیے نیم حمید آکیلی کے نام سے ادارہ قائم کیا ہے اور ایک رفاقتی اوارے میں مددوروں کے ۴ تھیلیک کوچ کے فرائض انجام دینے کے علاوہ کھیلوں کے ایونٹس بھی آرگانائز کرتی ہیں جب کہ ایک ملٹیزیس فاؤنڈیشن کی جانب سے 2018ء میں ”اسٹریٹ چلڈرن درلٹ کپ“ کے لیے کھلاڑیوں کو تربیت دے رہی ہیں۔

2008ء بیجنگ میں پیرا لپکس کے موقع پر ۴ تھیلیک کی نی تاریخ مرت کی۔ انہوں نے ان مقابلوں میں نہ صرف چاندی کا تمغہ جیتا بلکہ 6.44 میٹر طویل چھلاک لگا کر ایک یا عالمی ریکارڈ بھی قائم کیا۔ 2010ء میں کواکزہ ہو، چین میں منعقد ہونے والے اشین گیمز کے مقابلوں میں انہوں نے لامگ جپ میں طلاقی اور 100 میٹر کی دوڑ میں کافی کامیابی حاصل کی۔ 2006ء میں انہوں نے کوالا لمپور میں منعقد ہونے والے FESPIC گیمز میں لانگ جپ میں 100 میٹر کی دوڑ میں ساوتیں پوزیشن حاصل کیا۔ 2016ء کے روپ اولپکس میں حیر علی نے لانگ جپ کیمپینگ میں کافی کامیابی حاصل کیا۔ اور یہ واحد تمحض تھا جو اس عالمی ٹورنامنٹ میں پیش کیا تھا۔

صرف صدقی

صرف صدقی نے پاکستان کی جانب سے کئی میں الاؤنیٹی ٹورنامنٹ میں حصہ لیا۔ 2008ء کے بیجنگ اوپر ۴ تھیلیک کے موقع پر انہوں نے خواتین انتھیلیکس ٹیم میں پاکستان کی نمائندگی کی اور 100 میٹر کی دوڑ میں ساوتیں پوزیشن حاصل کی۔ 2008ء میں قومی ۴ تھیلیکس چیپین شپ میں حصہ لیا اور بیجنگ کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ 2010ء میں سماوتح اشین گیمز میں انہوں نے نیم حمید، جو یورپی حسن اور نادیہ نذیر کے ساتھ حصہ لیا اور بیجنگ کھیل کا مظاہرہ کیا۔ 2010ء میں ان پر چند دیگر خاتون کھلاڑیوں کے ساتھ ڈونپاگ اسکینڈل میں ملوث ہونے کی وجہ سے پاندی عائد کر دی گئی۔

نیم حمید

نیم حمید کا شمار پاکستان کی ماہی ناز خاتون انتخاب میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اس کھیل میں اپنے کیربیز کا اغاز اپنے اسکول کی طرف سے چھٹی کلاس سے کیا، بعد میں علاقے کے اسکول اور کالج کے مقابلوں میں حصہ لے کر مقامی سطح پر کامیابی حاصل کی۔ 2003ء میں پاکستان ریلیز کی ۴ تھیلیک ٹیم میں کھیلنے کا کنزپیک سائز کیا۔ 2004ء میں آرمی کے شعبہ کھیل سے وابستہ ہو گئیں جس کے بعد انہیں کورگی میں آرمی گراؤنڈ اور کھیلوں کی دیگر سہولتوں سے استفادہ کرنے کے موقع مل گئے۔ وہ 2011ء تک آرمی کی ۴ تھیلیک ٹیم سے وابستہ رہیں۔ 2004ء میں ہونے والی ڈپنس چیپین شپ میں آرمی کی طرف سے شرکت کی اور ایک طلاقی، دو نفری اور دو کافی کے تمحض حاصل کیے۔ 2005ء میں پاکستان ۴ تھیلیک فیوریٹ کی جو نیم چیپین شپ ہے اور جو نیم چیپین کا اعزاز حاصل کرنے کے ساتھ 4 طلاقی تمحض کی جاتی ہے۔ 2005ء میں سماوتح اشین گیمز میں جو یورپی انتھیلیکس کی حیثیت سے شرکت کی۔ 2006ء میں پاکستان اسٹریٹ مل میں منعقد ہونے والی ڈیز ناٹ قومی چیپین شپ میں طلاقی تمحض حاصل کیا۔ 2005ء میں ایران میں ہونے والے اسلاک گیمز میں پاکستان آرمی کی نمائندگی کی اور 60 میٹر کی دوڑ میں ریکارڈ قائم کیا جو اب تک برقرار ہے۔ 2012ء میں

سائیکلنگ

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق



چھٹھائی کے کچھ راستے پر پیدل سفر بھی شامل تھا، اس کا فاتح بھی جیمز مورے رہا جن سالوں میں پورے براعظم یورپ میں روڑ ریس کو مقبولیت حاصل ہونے لگی، جب کہ برطانیہ میں سڑکوں کی خستہ حالت اور ٹوٹ پھوٹ کی وجہ سے ٹریک یا ناممثر انکل سائیکل ریس متعارف کرائی گئی۔ امریکا میں 1878ء میں بوشن کے مقام پر پہلی مرتبہ سائیکل ریس کا انعقاد ہوا، جب کہ یونایٹڈ اسٹیٹس میں ابتدائی ریسوں کا انعقاد ٹریکس پر ہوا اور 1890ء میں تمام بڑے شہروں میں یمنٹ یا لکڑی کی مدد سے ٹریکس بنائے گئے۔ اسی سال وہاں 6 روزہ نام اسٹاپ ریس کے مقابلے ہوئے، جس میں دیبا بھر کے سائیکل سواروں نے حصہ لیا۔ ریس کی اخیری رقم 10 ہزار امریکی ڈالر رکھی گئی تھی۔ اسی سال اسے باقاعدہ طور پر ایک کھیل کی حیثیت دی گئی۔ 1899ء میں اس کے قوام میں تبدیلی کر کے ہر ٹائم ایک کی مددے دو سائیکلکش پر مشتمل کردی گئی۔ 1899ء کے بعد امریکا میں کسی طویل دورانیے کی ریس کا انعقاد نہ ہوسکا لیکن سائیکل ریس کی یہ شکل اٹلی فرانس اور جرمنی میں مقبول ہو گئی اور دنیا باقاعدگی سے اس کا انعقاد ہونے لگا۔ یورپ میں اس کھیل میں نت نی چد تین ٹپنے کا انعقاد ہوتا تھا۔ اس سے ہر ٹائم ایک کی مدد کے مقابلے میں ریسوں کی مرتضیٰ کی ریس کی مدد اس کا انعقاد بالائیہ، اٹلی اور ایجین میں بھی کیا جاتا تھا۔ جس کی مدد اس کا انعقاد ہوتا تھا اور اس کی مدد کیا جاتا تھا۔ سائیکلنگ کے کھیل کو دو درجات میں تقسیم کیا جاتا تھا، ٹریک اور روڑ سائیکلنگ۔ ٹریک سائیکل ریس کا انعقاد خصوصی طور سے بنائے جانے والے 250 میٹر طویل ویلو ڈرم میں ہوتا ہے، اس کے مقابلے میں روڑ سائیکل ریس کا انعقاد عام سڑک پر ہی خالص فطری محول میں ہوتا، جس میں ریس کے کھلاڑیوں کے ساتھ ساتھ ٹرینک کی روانی بھی جاری رہتی ہے۔

1903ء میں 21 ہزار ڈی فرانس چیپین شپ، سائیکل ریس کا آغاز ہوا، اس کے بعد سے یہ چیپین شپ ہر سال تو اتر کے ساتھ ہوتی ہے، صرف اول اور دو میگالی جگلوں کے دوران دس سال کا تحفظ رہا۔ نو ڈی فرانس کا انعقاد جولائی میں ہوتا ہے، جب کہ اس سے قبل میں اور جون میں ”ڈی گیر و روڈی اٹالیہ“ نامی ریس کا اہتمام ہوتا ہے۔ سبتر ایجین کی ”وولنلسا سائیکل ریس“ اور اکتوبر میں عالمی چیپین شپ کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ ان ریسوں میں چینے والے سائیکلکش کو خاصی بڑی رقم اعتماد میں دی جاتی ہے، جب کہ صرف ”نو ڈی فرانس چیپین شپ“ کی انعامی رقم ڈھائی ملین ڈالر ہے۔ یورپ سے نکل کر یہ کھیل آسٹریلیا اور مالائیشیا میں بھی معروف ہوا۔ فروری سے اکتوبر تک براعظم یورپ اور امریکا میں سائیکلنگ سینز کا ہلاتا ہے، جب کہ نومبر، دسمبر کے درمیان ایشیاء میں اس کا احتفام ہوتا ہے۔

1899ء سے 1980ء تک امریکا میں کسی بھی قسم

کی سائیکل بنائی۔ سائیکل کی ایجاد سے قبل لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ یا ایک شہر سے دوسرے شہر جانے کے لیے گھوڑے پر سفر کرتے تھے۔ جب سائیکل کا استعمال بڑھنے لگا تو اس میں نت نی جد تیس پیدا کی گئی۔ 1838ء میں اسکا لیٹڈ کے میک ملن نے اس کے پروپریتی تدبیلی کی اور تقریباً 3 سال کی عرصہ ریزی کے بعد اس کو چین اور پیڈل سے چلنے والی سائیکل بنایا گیا۔ اس وقت سائیکل کو روکنے کیلئے اس میں بریک شیزیں لگے ہوئے تھے اور ہزاروں سے ہی سائیکل کو روکا جاتا تھا، جو بعض اوقات خطرناک بھی ہوتا تھا، اس لیے اسٹیر کرنے کے لیے گھوڑے کی باگ کی جگہ پینٹل اور الگے، پچھلے پیسے کے ساتھ بریکیں لگائی گئیں، جن کا نام بینڈل کے ساتھ رکھا گیا۔ 1879ء میں ہنری جان لاس نے اسے عجیب و غریب بیت دی، اس کا اگلا پہی خاصے بڑے قطر کا تھا جب کہ پچھلا چھوٹا رکھا گیا، لوگوں نے اس کا نام ”مگرچھ“ رکھ دیا، اسے فروخت کے لیے مارکیٹ میں پیش کیا گیا لیکن مذکورہ ایجاد کو عوامی پیروائی نہ مل سکی۔ 1885ء میں جان کمپ اسٹارلے نے اسے محفوظ شکل میں تیار کیا جو کامیاب ثابت ہوا، اس کا نیا نام ”رورر“ رکھا گیا، اس کے الگے پیسے کو لوہے کے دو چٹوں کے ساتھ پینٹل سے منسلک کیا گیا، دونوں پیسے یکساں سائز کے لگائے گئے، لیکن اس وقت تک اس میں لوہے کے پیسے لگائے جاتے تھے، جس کی وجہ سے سفر زیادہ تر تکمیل ہو ہوتا تھا۔ جان ڈلپ نے اس صعوبت کو منظر رکھتے ہوئے ٹارڑ اور ٹیوب تیار کیے، جنہیں لوہے کے پیسے پر چڑھایا گیا جس کے بعد یہ ہمارے طریقے سے دوڑنے لگی اور اس پر سفر پیلے کی نسبت زیادہ آرام دہ ہو گیا۔ ہیسوں صدی میں یہ سواری پوری دنیا میں اسٹیٹس سبل، سمجھی جاتی تھی، سرکاری افسران، پولیس اہل کار، فوجی حکام، ڈائیکری اور اس کے معاون اس کے ساتھ سفر کرتے ہوئے فخر کرتے تھے۔ ہندوستان یہاں یہ سواری 18 ویں صدی کے آخری عشرے میں متعارف ہوئی جس کے بعد بر صغیر کے تمام علاقوں میں مقبول ہوتی گئی۔

جب سائیکل کا استعمال بڑھتا گیا تو سفر کے ساتھ ساتھ، مقامی طور پر اس کی ریسوں کا انعقاد بھی ہونے لگا۔ 1868ء میں سرکاری سٹھ پر پہلی مرتبہ اسے کھیل کا درج دیا گیا اور فرانس میں مختصر فاصلے کی سائیکل ریس کا پہلی مرتبہ انعقاد ہوا، جو پیرس کے نزدیک فوارے اور سینٹ کلاؤڈ پارک کے داخلی دروازوں تک 200 میٹر کے فاصلے تک محبیت رہی، یہ ریس پیرس میں مقیم 1.200 18 سالہ برطانوی نوجوان جیمز مورے نے جیتی۔ اس ریس کی کامیابی اور عوام میں مقبولیت کے بعد فرانسی کی حکومت کی جانب سے 1869ء میں ایک شہر سے دوسرے شہر تک طویل فاصلے کی ریس منعقد ہوئی جو پیرس سے شروع ہو کر 135 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے ”درائین“ شہر میں اختتام پذیر ہوئی۔ اس کا دورانیہ 10 گھنٹے 25 منٹ تھا جس میں پہلا

”سائیکلنگ“ واحد کھیل ہے جس کی ابتداء ”سفری ضرورتوں“ سے ہوئی، جو بعد ازاں ایک مقبول عام کھیل بن گیا اور آج یہ دنیا کے پانچوں براعظموں میں کھیلا جاتا ہے۔ سائیکلنگ کے کھیل کی ابتدائی کیسے ہوئی؟ اس کے لیے پہلے سائیکل کی ایجاد، اس کے استعمال اور بعد ازاں کھیل کی حیثیت اختیار کرنے تک کے مفصل احوال کا علم ضروری ہے۔ پیسے کی ایجاد ہزاروں سال قبل تھے میں ہوئی لیکن اس کا استعمال 19 ویں صدی میں اس وقت سے ہوا جب جرمنی میں سائیکل کی ایجاد ہوئی۔ سب سے پہلے فرانس کے ڈی سیورا کا 1690ء میں دو پیسوں کو ایک ڈنڈے سے جوڑ کر سائیکل بنائی تھی، اس کا نام انہوں نے ”ہلی ہارس“ رکھا، لیکن یہ ایجاد ایک صدی تک خام شکل میں رہی۔ 1817ء یہاں جرمنی کے شہر بیڈن کے گرانڈ ڈپوک کے ملازم، دون کارل ڈرائسن نے اسنانی قوت سے چلنے والی ”ڈی ڈی ہارس“، جسی ڈیت کی پائیکل بنائی، جو 1818ء میں فرانس پیل رجسٹر ہوئی۔ ڈرائسن کی اصطلاح کے مطابق اسے ”لاف مشین“ یا ڈوڈنے والی مشین کا نام دیا گیا۔ ابتدا میں ڈرائسن جب اپنی ایجاد کی ہوئی سائیکل پر پیش کر جرمنی کی سڑکوں پر نکلے تو لوگ ان کی عجیب و غریب سواری کو دیکھ کر جیسے زدہ رہ گئے۔ ڈرائسن اسے پہلے ون کی قوت سے ڈھکتے ہوئے چلا رہے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ڈی ڈی ہارس ناہی سائیکل، دو پیسوں کو لکڑی یا اسٹیل کے ڈھاپنے پر جوڑ کر بغیر چین اور پیڈل کے گھوڑے کا گھوڑا گاڑی کی شکل میں بنائی تھی، ہے دونوں پیڈر زمین پر رک کر پیڈل پلٹے یا دوڑنے کے انداز میں جسمانی قوت کی مدد سے چلانا پڑتا تھا۔ اگلے پیسے کو ایک رسی سے باندھ کر گھوڑے کی باگ کی طرح اسٹیرنگ کی جگہ رکھا گیا تھا جسے سوار موڑنے کے لیے استعمال کرتا تھا۔ 1819ء تک برطانیہ اور فرانس کے کئی سائیکل ساز اور اسوانے نے ڈی ڈی ہارس کی نقل تیار کی جس میں لندن کا سائیکل ساز، پیس جانسن قابل ذکر ہے، جس نے لکڑی کے ٹم دار فریم اور بڑے قطر کے پیسے جوڑ کر بگھی طرز

کافی کے تخفہ حاصل کیے۔ حکومت پاکستان کی طرف سے انہیں چار مرتبہ قومی ہیرو کے ایوارڈ سے نوازا گیا لیکن ایک ریس کے دوران زخمی ہونے کے بعد ان کی کارکردگی ممتاز ہوئی، جسے جواز بنا کر ملکہ ریلوے کی طرف سے انہیں ممتازت سے فارغ کر دیا گیا۔ بے روزگاری کی وجہ سے ان کی ساری جمع پونچی ختم ہو گئی، گھر اور دیگر ناٹھ فروخت ہو گئے، آج کل اپنے اہل خانہ کو فاقہ کشی سے بچانے کے لیے رکش چلانے پر مجبور ہیں۔ موجود دور میں اس کھیل کے لیے سہواتوں کا فدقان ہے، صوبائی ایوسی ایشور اپنے طور سے سائیکل دوڑ کا انعقاد کرتی ہیں۔ ٹریک سائیکل ریس کے انعقاد کے لیے پورے ملک میں 1952ء میں واحد ویڈ ڈرم تعییر ہوا تھا جو خستہ حال کا شکار ہو کر ریس کے قابل نہیں رہا۔ ملک میں سائیکل کے شمار باصلاحیت کھلاڑی موجود ہیں، ان میں سے کافی سائیکلست ناکافی سہواتوں کے باوجود عزم و همت اور حوصلے کی بہترین مثال ہیں، جو کوئی سے پشاور تک ثور ڈی پاکستان سائیکل ریس میں حصہ لے کر کوئی سے پشاور تک سائیکل دوڑتے ہوئے جاتے ہیں، جب کہ ثور ڈی گلیات سائیکل ریس میں پہلا بندی یوں پر سائیکل چلا کر 8200 فٹ بلندی پر پڑھنا انتہائی جوکھوں کا کام ہے، لیکن پاکستان سائیکلش یہ کارنامہ ہر سال انجام دیتے ہیں، جولائی 2016ء میں پاکستان کی خاتون سائیکلست شرخان نے اسکدوں میں سٹھ سمندر سے بڑی سائیکل ریس ہوتی ہے واقع پیارو گلیش پر سائیکل چلا کر نیا عالمی ریکارڈ قائم کیا جب کہ انہوں نے اسلام آباد سے پیارو گلیش پر سائیکل کا سفر کرنے کا کارنامہ انجام دے چکی سائیکل پر تھراپ تک کا سفر کرنے کا کارنامہ انجام دے چکی ہیں۔ 1999ء میں ہونے والی سارک سائیکل چیپن شپ پر میں ہارون رشید اور دل شیر علی نے بالترتیب طلائی اور نقریٰ تخفہ حاصل کیا تھا، یہ کسی میں الاقوامی سائیکل ریس میں پہلا چیپن شپ اعزاز تھا جو مذکورہ کھلاڑیوں نے پاکستان کو دلوایا۔

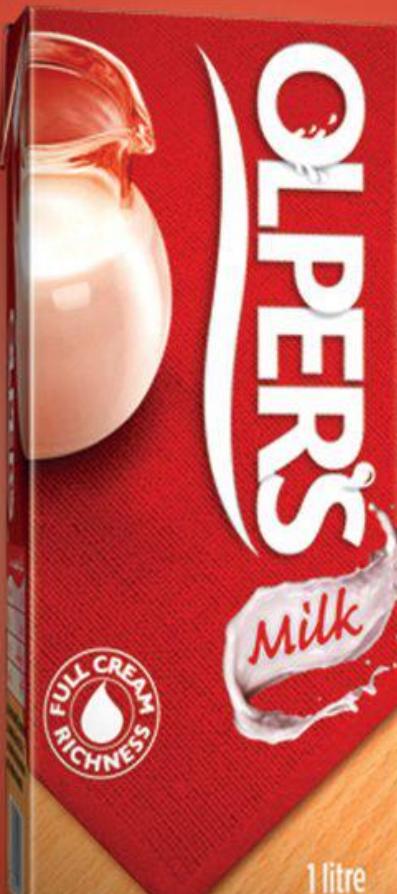
§§§

سائیکل کے کھیل کا آغاز، قیام پاکستان کے بعد کے فوری بعد ہو گیا تھا، بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح ملک میں کھیلوں کے فروغ میں خصوصی دل چھپی رکھتے تھے۔ 1947ء میں پشاور میں سائیکل کی مجلس تنظیم، پاکستان سائیکل فیڈریشن کا قیام عمل میں آیا، جس کے پہلے صدر، قائد اعظم تھے، واپس اور آرمی کی چار جب کہ چاروں صوبوں اور اسلام آباد کی سائیکل ٹیمیں باقاعدگی سے قومی یونیٹ میں حصہ لیتی ہیں۔ سائیکل فیڈریشن کی مذکورہ قومی تنظیم کا پاکستان اسپورٹس بورڈ، پاکستان اولپک ایوسی ایشن اور اشین سائیکل فیڈریشن کے ساتھ الحاق ہے، جب کہ عالیٰ تنظیم، یوں آف سائیکلش اسٹریٹشیل سے منظور شدہ ہے۔ پی سی ایف میں چاروں صوبائی ایوسی ایشور کے علاوہ پاکستان آرمی، سوئی سدرن گیس، واپس اور اسلام آباد سائیکل ایوسی اشین بھی شامل ہیں۔ 1948ء میں کراچی میں پہلے پاکستان اولپکس گیمز کا انعقاد ہوا، جس میں قومی سائیکل فیڈریشن شپ کے ٹورنامنٹ بھی ہوئے۔ ریس کا افتتاح بانی پاکستان نے کیا۔ پی سی ایف کے زیر اہتمام ہر دو سال بعد ثور ڈی پاکستان اسٹریٹشیل سائیکل ریس کا انعقاد ہوتا ہے اس میں 150 ملکی و مین الاقوامی سائیکلست حصہ لیتے ہیں۔ پہلے اس کا آغاز کراچی سے ہوتا تھا لیکن اب اس کا دارہ کار بلوچستان تک بڑھا دیا گیا ہے۔ یہ ریس دنیا کی سب سے بڑی سائیکل ریس ہوتی ہے جو بلوچستان سے شروع ہو کر 1648 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے پشاور میں اختتام پذیر ہوتی ہے۔ اس دوران گیارہ مقامات پر کھلاڑیوں کو اوارم کرنے کے لیے تھہرایا جاتا ہے۔ پاکستان سائیکل فیڈریشن کا دوسرا بڑا یونٹ ”ثور ڈی گلیات ٹیٹش روڈ سائیکل ریس“ کے نام سے خیبر پختونخوا سائیکل ایوسی ایشن اور ثورزم ڈیپارٹمنٹ کارپوریشن خیبر پختونخوا کے اشتراک سے کیا جاتا ہے۔ اس کا انعقاد ہو دو ایسٹ آباد تک ہوتا ہے، وہاں سے دوسرے مرطے میں شروع ہونے والی ریس 8200 فٹ کی بلندی پر واقع تھیا گل تک جاتی ہے، جہاں اختتامی تقریب منعقد ہوتی ہے جس میں چیتنے والے کھلاڑیوں میں انعامات و اعزازات تنظیم کیے جاتے ہیں۔ پاکستان میں 1960ء سے 70 کی دہائی تک اس کھیل کو سرکاری سرپرستی حاصل رہی، صدر اور وزراءً اعظم کی جانب سے سائیکلٹوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی، اس دور میں پاکستانی کھلاڑیوں نے اولپکس سیت دیگر مین الاقوامی مقابلوں میں بھی حصہ لیا لیکن 1970ء کے بعد اس کھیل کا کوئی پر سان حال نہ رہا۔ ملک کے لیے کاربائے نمایاں انجام دیتے والے کئی مین الاقوامی سائیکلش انتہائی کس پرسی کے عالم میں زندگی گزار رہے ہیں۔ 1960ء اور 1964ء میں پاکستانی سائیکلٹ محمد عاشق نے اولپکس مقابلوں میں اپنے وطن کی نمائندگی کی تھی۔ اپنے کیریئر کے دوران ملکی و مین الاقوامی مقابلوں میں 70 سے زائد سونے، چاندی اور

کی سائیکل ریس کا انعقاد نہیں ہو سکا، البتہ مقامی سٹھ پر یہ کھیل وہاں مقبول رہا اور اس میں کئی اچھے کھلاڑی ابھر کر منظر عام پر آئے۔ 1984ء میں لاس ٹھیکلیں میں منعقد ہونے والے اولپک گیمز میں اسے بھی ہے طور کیلیں شامل کیا اور امریکی سائیکلٹش نے جیران کن طور پر اس میں تخفہ جیتے۔ برطانیہ میں اس کھیل کا آغاز 20ء میں صدی میں ہوا، وہاں پر فیش اور ایکچھر سائیکل فیڈریشن کو مقبولیت حاصل ہوئی، ”ملک ریس“ اور ”پی ٹور ریس“ کا اہتمام کیا گیا۔ آئینیا میں ”دور ڈاؤن“، ملائیشیا میں ”لانگ کاوی“، اور ”جالپانی کپ“ کے دوران شاہراہوں پر لکیریں ڈال کر ریس کے لیے ملجمہ سے ٹریک بنایا جاتا ہے۔ ان ممالک میں منعقدہ سائیکل ریس یورپ اور امریکا کی پر فیش ٹیوں کے لیے پُر کش ہیں۔ ایشیاء کے کئی دیگر ممالک میں بھی سائیکل ریس کا انعقاد کیا جاتا ہے، جن میں اشین چیپن شپ اور ساٹھ اشین چیپن شپ قابل ذکر ہیں، جن میں صرف اشین ٹیمیں ہی حصہ لیتی ہیں۔ مردوں کی روڑ اور ٹریک سائیکل ریس تو 1896ء میں اولپکس گیمز کا حصہ بنیں لیکن 1984ء میں خواتین کی پہلی سائیکل ریس اور 1988ء میں خواتین ٹریک ریس کو اولپکس گیمز میں شامل کیا گیا۔ 1996ء میں اٹلانٹا میں اولپکس گیمز کے موقع پر خواتین کی پر فیش ٹیوں کو یہ اور ٹریل مقابلوں میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی۔

بھارت میں سائیکل کے کھیل کا آغاز 1938ء میں ہوا، سائیکل فیڈریشن آف انڈیا کے نام سے ایک قومی تنظیم تھکلیں دی گئی جو ملکی سٹھ پر اس کے مقابلوں کا انعقاد اور مگردنی کرتی ہے اس کے علاوہ ہر صوبے اور ریاست میں مقابی ٹیمیں موجود ہیں۔ بھارت میں ہر سال ماڈشین بائیکنگ ریس کا باقاعدگی سے انعقاد کیا جاتا ہے جس میں بھارت کی مقابی ٹیوں کے علاوہ مین الاقوامی کھلاڑی بھی حصہ لیتے ہیں۔ گزشتہ سال سکم کی ریاست کی جانب سے سب سے بڑی سائیکل متعارف کرائی گئی جس کی رقم جو بیل ایشیاء کے ملکوں کی پر نسبت سب سے بڑی رکھی گئی ہے۔ بھارت میں ”ٹور آف نیگریس“ کے نام سے 100 کلومیٹر سائیکل ریس کا انعقاد کیا جاتا ہے، لیکن یہ قلعی طور پر غیر تحدیتی بیانوں پر منعقد کی جاتی ہے۔ ہر سال فروری میں پیش روڑ سائیکل فیڈریشن چیپن شپ ہوتی ہے جس میں بھارت کے مختلف اور لوں اور شہروں سے تعلق رکھنے والی 25 ٹیمیں حصہ لیتی ہیں۔ گزشتہ سال بھارت کی جو نیز سائیکل ٹیم، عالی جو نیز چیپن شپ جیت کر مین الاقوامی تنظیم یونیٹ آف سائیکلش اسٹریٹش کی عالی درجہ بندی میں پہلے نمبر پر آئی، چند سال قبل یہی ٹیم 149 دینہ نمبر پر تھی۔

پاکستان میں یہ کھیل حکومت کی عدم توجیہ اور کھیلوں کی سیاست کی وجہ سے اختلاط کا شکار ہے۔ قومی کھلاڑی افرادی طور پر کارنامے انجام دیتے رہتے ہیں لیکن حکومت کی طرف سے تو



CHOOSE TO PUT SOMETHING NEW ON YOUR TABLE

THE NEW OLPER'S

FULL CREAM RICHNESS IN A FRESH NEW LOOK

ڈبل ملائی مارک
بڑھائے ڈبل پیار



کی اعلیٰ کوالٹی اور
انر. جی سیور ٹیکنالوژی کے ساتھ
PAK FAN

گرمیوں میں ملے ٹھنڈک کا احساس



صرف پاک فین کی ہر پروڈکٹ میں ہے خالص
کاپرو اسٹریگ، جو دیگر پلکھوں میں استعمال ہونے والی
الموسم و اسٹریگ کے مقابلے میں زیادہ پاٹنیار ہے۔
یہی وجہ ہے کہ وہی کے اتارچ چھاؤ میں بھی پاک فین کی
کارکردگی ہمیشہ کیسا رہتی ہے اور اس کی انر. جی سیور
ٹیکنالوژی بھی کا خرچ بھی گھناتی ہے۔
اپنی بہترین اور دیگر کاپرو اسٹریگ کے باعث ہی آج پاک فین
نہ صرف پچھا سازی کی صنعت بلکہ انکسپورٹ میں بھی
سب سے آگے ہے۔

Wahid Industries Limited, Gujrat.

رکھنے والے بکیز کا سینڈیکیٹ پکڑا گیا، جو چارٹن آئندھیں گراونڈ

میں ایف اے پریسیر لیگ کے میچوں کے دوران میچ گلنسگ میں ملوث پائے گئے تھے۔ ان میں سے 12 یورپین لیگ اور تین چینی پیئر لیگ کے میچوں میں بھی شامل رہے تھے جون 2011ء میں فن لیڈن میں فٹ بال پیچر کے دوران میچ گلنسگ کے الزم میں بعض ٹیوں کے خلاف تحقیقات کی گئیں۔ تحقیقاتی ٹیم کے سامنے ”پیپرے یونایٹڈ“ کی ٹیم نے اعتراف کیا کہ انہوں نے ایک مشہور سے باز سے پیسے لے کر میچ فٹس کیا تھا جولائی 2011ء پیتھر کی کوپلیس کی جانب سے فٹ بال میچوں میں میچ و اسپاٹ گلنسگ اسکینڈل میں پیش کیا تھا۔ جس کی نیڈا پر حکم پولیس کے کرام کنزول پولیس کے سامنے میچ کی تھیں، کلب کی میں ملوث پائے گئے۔ ان میں سے تین کھلاڑی اٹلانٹا اے سائیڈ اور 5 کھلاڑی قنسو کسی بی سائیڈ کے طرف سے کھیل رہے تھے۔ 2004ء میں پرچالی پولیس نے ”لیپیٹو ڈوریڈو“ کے نام سے ایک آپریشن کر کے میچ گلنسگ میں ملوث کنی فٹ بال کلبوں کے صدور اور نمایاں کھلاڑیوں کو گرفتار کر لیا۔ جون 2014ء میں جنوبی افریقہ میں فٹ بال کے 19 ریفین، فٹ بال کلبوں کے حکام، میچ کشتر اور جنوبی افریقہ فٹ بال ایسوی ایشن کے اعلیٰ عہدیداروں سمیت 13 افراد کو میچ اور اسپاٹ گلنسگ کے الزامات کے تحت گرفتار کیا گیا۔ 2005ء میں جرمنی میں ”بیتلزیکا اسکینڈل“ منظر عام پر آیا۔ جوری 2005ء میں جرمن فٹ بال ایسوی ایشن کے خلاف علیحدہ علیحدہ تحقیقات کی گئیں، جن میں اکٹھاف ہوا کہ وہ جرمن کپ سیست کنی دیگر مقابلوں میں اسپاٹ گلنسگ کے جرام میں ملوث تھے۔ تحقیقاتی رپورٹوں میں بتایا گیا کہ وہ کروشا کے شے بازوں کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے، انہوں نے اپنے میچ گلنسگ کے نیس ورک میں کنی کھلاڑیوں کو شامل کیا ہوا تھا تحقیقات کے نتیجے میں اس کیس میں پہلی گرفتاری 28 جنوری کو برلن میں عمل میں آئی جب کہ ہوڑکر کو 12 فروری کو گرفتار کیا گیا۔ اقرار جرم کے بعد ہوڑکر پر تاحیات پاندی کے علاوہ دو سال پاچ ماہ قید کی سزا بھی دی گئی۔ ستمبر 2005ء میں بریزیل میں شائع ہونے والے ایک جریدے کی رپورٹ یہاں تک کہ میچ کے دوران میچ گلنسگ اسکینڈل کا اکٹھاف ہوا، جس میں دو ریفری ایڈس پر یہاں، جن کا تعلق فینا کے ایشیش ریفری پینسل سے تھا اور جوز پھیلین، رشوت لے کر میچ فٹ کرنے کے جرم میں ملوث پائے گئے۔ دونوں ریفریز کے خلاف تحقیقات ہوئیں جس کے بعد ان پر تاحیات پاندی عائد کروی گئی۔ 2008ء میں ایک اسپورٹس صحفی، ڈکلن ہال کی کتاب ”وی فٹس“ میں الزم کا گیا کہ 2006ء کے فٹ بال ورلڈ کپ کے دوران گھانا اور اٹلی، گھانا اور بریزیل کے درمیان ہونے والے پیچر جب کہ اٹلی اور یوکرائن کے درمیان ہونے والا کوارٹر فائل فٹس تھا، اور شے بازوں کا تعلق ایشیاء کے میچ فلکس سینڈیکیٹ سے تھا جنہیں میچ کے فیصلوں کا قابل از وقت علم رہتا تھا۔ اکتوبر 2009ء میں جرمن

فت بال کے فکس میچ

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق

کرکٹ میں ٹے بازی، میچ و اسپاٹ گلنسگ کے اسکینڈلز تو اکثر پیشتر منظر عام پر آتے رہتے ہیں، جن میں کھلاڑیوں کو سزاوں کے علاوہ پاندیوں کا بھی سامنا کرتا پڑتا ہے، اسکینڈلز کی جب ذرائع ابلاغ پر گوچ سنائی دیتی ہے تو ساری دنیا کی وجہ ان کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ کرکٹ کے کھیل کے علاوہ نہیں، میں بال اور دیگر کھلکھلیوں میں بھی ٹے بازی عروج پر رہتی ہے اور اکثر کھلاڑی میچ و اسپاٹ گلنسگ اسکینڈل میں ملوث پائے جاتے ہیں لیکن اسکینڈل تہلکہ چالنے کے باوجود لوگوں کی نگاہوں سے او جمل رہتے ہیں۔ کرکٹ کے بعد میچ گلنسگ کے سب سے زیادہ واقعات فٹ بال میچوں کے دوران ہوئے اور موازنہ کیا جائے تو ان کی شرح کرکٹ کے گلنسگ اسکینڈل سے بہت زیادہ ہے۔ فٹ بال میچ گلنسگ کی تاریخ بہت قدیم ہے، 1904-05ء میں میچ گلنسگ کا پہلا اسکینڈل منظر عام پر آیا۔ آئٹھن والا اور مچھڑی ٹی کے درمیان فٹ بال میچوں کا العقاد ہوا جن میں دونوں ٹیوں نے بدترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ چار ماہ بعد آئٹھن والا کے کپتان ایلیس ایک، فٹ بال ایسوی ایشن کے سامنے پیش ہوئے اور خلاف ٹیم کے کپتان، میری پیٹھ پر الازام عائد کیا کہ انہوں میچ ہارنے کے لیے انہیں 10 پونڈ کی پیش کش کی تھی۔ بعد ازاں فٹ بال ایسوی ایشن نے میری پیٹھ کے کھینچے پر دو سال کی پاندی عائد کروی تھی۔ 1915ء میں لیورپول اور مچھڑی یونایٹڈ کے درمیان ہونے والا میچ بھی فکس ثابت ہوا۔ اس میچ میں مچھڑی یونایٹڈ نے صفر کے مقابلے میں دو گول سے فتح حاصل کی تھی۔ میچ میں دونوں ٹیوں کے سات کھلاڑی اس جرم کے مرتبک پائے گئے تھے، جن پر فٹ بال ایسوی ایشن کی طرف سے تاحیات پاندی عائد کروی گئی۔ 1964ء میں اس کھیل میں اسپاٹ گلنسگ کا سب سے بڑا اسکینڈل منظر عام پر آیا، جس میں 1960ء میں لیگ فٹ بال میچ کے درمیان کنی کھلاڑی ملوث پائے گئے تھے، جنہیں پاندی سیست قید و بند کی سزاں بھی دی گئی۔

1980ء میں اٹلی کے ایک اخبار نے میچ گلنسگ کے ایک اور اسکینڈل کا اکٹھاف کیا جس میں دو رومان دکانداروں ”اویرہ اور ٹرکا“ کے حوالے سے بتایا گیا کہ، اٹلی کے کچھ فٹ بال جن میں اے سی میلان اور لازیو ٹیم کے کھلاڑی شامل ہیں، بھاری رقبات لے کر میچ فروخت کرتے ہیں۔ تحقیقات کے نتیجے میں ریفریز سیست اٹلی کی عالمی کپ کی ٹیم کے گول کپر ازیکابرٹوی پولو اور میلان ٹیم کے صدر فلک کولبو پر تاحیات پاندی عائد کروی گئی۔ فروری 1999ء میں ملائیشیا سے تعلق

کی کہ نذکورہ رقم کن مدت یہل خرچ کی گئی۔ 2013 یہل پورپی یو نین کے ایکش پولیس یونٹ یورو پول نے اپنی ایک رپورٹ یہل لکھا کہ اس نے 2008ء سے 2011ء کے درمیان 380 فٹ بال میچوں کے لکس ہونے کے شوہد حاصل کیے ہیں۔ ہالینڈ کے شہر ہیگ میں یورو پول کے سربراہ روب وین رائٹ نے ذرا کچ ابلاغ سے گفتوگوتے ہوئے الزام لگایا کہ، فٹ بال کے مقابلوں اور اپاٹ فلکنگ کی پشت پر ایشیا میں قائم ایک منظم نیت و دک ملوث ہے۔ ان کے مطابق 15 ممالک میں 420 افراد میچ فلکنگ میں ملوث پائے گئے۔ 2012 یہل میں کی عدالت نے فٹ بال پر پیسٹر لیگ میں میچ فلکنگ کرنے والے افراد پر سالاہے باؤن لاکھ ڈالر کا جرمانہ عائد کیا۔ اطاولی عدالت نے فٹ بال فیڈریشن کی ساکھ تباہ کرنے کے جرم میں 14 افراد پر بھاری جرمانے عائد کیے ہیں۔ ہالین فیبل لیگ کے 2006 کے بیزن میں میچ فلکنگ میں ملوث افراد میں سابق ریفری پاؤ لو برگامو پر ڈیڑھ لاکھ ڈالر اور سابق سلیکٹر پاؤ لوگو پر دس لاکھ ڈالر کا جرمانہ عائد کیا گیا جب کہ فٹ بال فیڈریشن کے سابق نائب صدر پر 91 لاکھ، 8 ہزار ڈالر جرمانہ عائد کیا گیا۔ نومبر 2016 میں لاوس سے تعلق رکھنے والے چار فٹ بالر زکو ایشیا فٹ بال کفیڈریشن نے میچ فلکنگ کے الزام میں 60 دن کیلئے معطل کر دیا۔ کفیڈریشن کا کہنا تھا کہ ان پر صرف سالیڈریٹی کپ میں میچ فلکنگ کا الزام نہیں ہے بلکہ 2010 سے مختلف میچوں کو نہیں کرنے کے الزامات بھی ہیں۔ فروری 2012ء میں میچ فلکنگ الزامات ثابت ہونے کے بعد زمبابوے کی فٹ بال فیڈریشن نے 80 کھلاڑیوں کو معطل کر دیا۔ ان پیسٹر میں قوی نیم کی جانب سے کھیلنے والے کھلاڑی بھی شامل ہیں۔

§§§

اس سے اگلے سال ولڈ کپ کے میچوں کو بھی فحش کرنے پر بھی آمادگی ظاہر کی تھی۔ اخبار کی رپورٹ کے مطابق میچ فلکنگ کا یہ ایشیکیٹ پورے یورپ میں پھیلا ہوا ہے اور فٹ بال کے زیادہ تر میجر اسی کی ایماء پر فحش ہوتے ہیں۔ ہالینڈ میں میچ فلکنگ کے اسکینڈل کے منظر عام پر آنے کے بعد جرمن شہر بوشم میں پورپی فٹ بال کے مگر اوارے یونیفارا کے ماہرین اور جرمن استشاٹ Peter Limacher نے ایک نیوز کافنرنس میں کہا کہ اس اسکینڈل کی نوعیت دیکھ کر یونیفارا کے اراکین شش و نیج میں جتنا ہیں۔ یونیفارا کے حکام کا کہنا ہے کہ، جرمی میں بھی پیسٹر لیگ کے تین میچوں کے علاوہ پورپین لیگ کے بارہ میچ فحش کے جانے سے متعلق انکو اسی جاری ہے۔ یہ تمام میچ 2007ء اور 2008 کے درمیان کھیلے گئے تھے۔ یونیفارا کے سیکریٹری جzel گیانی ایشیا نے اس معاملے کو ناقابل برداشت قرار دیا۔ پورپی نے اس سلسلے میں جرمی کے علاوہ سوپر لینڈ، برطانیہ اور آسٹریا میں پیپس مختلف مقامات پر چھاپے رکھا۔ ان کارروائیوں میں سترہ افراد کو حرast میں لایا گیا ہے جبکہ بھاری مقدار میں کرنی اور گرفتار شدگان کی کری گئیں۔ ان میں سے پندرہ افراد کو جرمی جب کہ دو کو سوپر لینڈ میں گرفتار کیا گیا ہے۔ جرمی میں اس سے پہلے سال قبل بھی میچ فلکنگ اسکینڈل سامنے آیا تھا۔

اکتوبر 2015ء میں نیپال فٹ بال نیم کے کپتان اور ان کی ٹیم کے چار کھلاڑی میچ فلکنگ کے الزام میں گرفتار کئے گئے۔ اس سلسلے میں پورپیں ترجیح، سرپندر اکھنال نے بتایا کہ کپتان ساگر تھاپا، سنیپ رائے، رتیش تھاپا، بخش سگھ اور سجن پر، ملائیٹا اور سنگاپور میں میچ ہارنے کے لئے بک میر کے رقم وصول کرنے کا الزام ہے ان کھلاڑیوں پر ان کے ”پینک اسٹینٹ“ چیک کرنے کے بعد مقدمات درج کئے گئے جن میں میچ سے پہلے ان کے کھاتوں میں 2008ء کے دوران بھاری رتوات کے اندر راجات تھے۔ 2014ء میں فٹ بال کی عالمی تنظیم، فیفا کی انجامی کمیٹی نے نیپال فٹ بال فیڈریشن کے سربراہ اور ایشیا فٹ بال کفیڈریشن کے سابق نائب صدر، قاعدگیوں کے حصہ میں تحقیقات کا آغاز کیا تھا۔

جون 2015 میں اپنی کی درجہ اول کی لیگ کھیلنے والے نابارا کے کلب۔ اوساسونا کے خلاف میچ فلکنگ اسکینڈل کی تحقیقات کرنے والے کمیشن کے چونے نذکورہ کلب کو 9 لاکھ یورو کے عوض گزشتہ سیزن میں 3 میچ فحش کرنے کا مرکب قرار دیا۔ ان میں سے ایک میچ میں بارسلونا کے کلب اسپانیول کو میچ برابر کھیلنے کے عوض 250000 یورو کی ادائیگی اور پیشہ کلب کو بارسلونا کلب سے میچ چینے کے عوض 4 لاکھ یورو اور اوساسونا سے ہارنے کے عوض 250000 یورو کی ادائیگی شامل ہے۔ میچ نے اوساسونا کلب کے پینک کھاتوں سے 24 لاکھ یورو نکالنے کی بھی تیقیش کرتے ہوئے اس بات کا سراغ لکھنے کی کوشش

خواتین کا عالمی دن

مصنف: علی احمد

اگر معاشرے کے ثابت پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کئی روشن مثالوں کو بیان کریں تو اسی معاشرے کا حصہ ہوتے ہوئے جدوجہد آزادی میں سرگرم رہنے والی خاتون "فاطمہ جناح مارڈ ملت" کہلائیں۔ معاشرے کی فلاج اور رہنمائی کا بیڑا ستر پر اٹھائے ہوئے دن رات مصروف عمل رہنے والی بلقیس ایڈھی ایک منفرد اور اعلیٰ سوچ رکھنے والے عظیم انسان کی بیوی ہے۔



اوپر دنیا میں ایک اعلیٰ مقام رکھنے والی عظیم اور یہ بانو قدیسہ کو بھی اشغالِ احمد جیسے ایک اعلیٰ پایے کے محقق اور مدیر انسان کی معاویت حاصل رہی۔ افونج پاکستان میں بھرتی ہونے والی خواتین جو آج زندگی داؤ پر لگا کر فرض کی تجھیں کے لیے ہر روز ڈیوبنی پر موجود ہوتی ہیں۔ انہی میں سے ایک فلائیٹ آفیسر مریم مختیار اس وطن عزیز کیلئے جان کا نذرانہ پیش کرنے والی باہمیت یعنی کام جنم بھی تو اسی معاشرے میں ہوا تھا۔ امک اور نیوکلیئر فرسکس میں مہارت رکھنے والی اس قوم کی غیر "بیٹی" ڈاکٹر عافیہ صدیقی، بھی تو کسی باب کی بیٹی، کسی شوہر کی بیوی اور کسی بیٹی کی ماں ہے۔ کسی تجہیب میں تو مرد عورت کی تعلیم میں روکاوت بنا تو کسی جگہ اسی کی سپورٹ کرنے میں سر فہرست رہا۔ عورت اس معاشرے کا نہیت اہم جزو ہے۔ جس کے بغیر نہ نسلیں چل سکتی ہیں نہ توبیں بن سکتی ہیں۔

عورت کے وجود سے ہی زندگی ہے سوال یہ ہے کہ "عورت آخر چاہتی کیا ہے؟" عورت عزت چاہتی ہے تحفظ چاہتی ہے۔ عورت تعلیم حاصل کر کے زندگی کی دوڑ میں مرد کے ساتھ چلانا چاہتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عورت کا حقیقی مقام سمجھتے ہوئے جو ایک ماں بھی ہے اور ایک بیٹی بھی وہ بیوی ہے اور بین بھی۔ معاشرے کی ترقی میں عورت کے کردار کو سمجھا جائے۔ تعلیم عورت کا نہیادی حق ہے۔ پڑھی لکھی ماں ہی پڑھے لکھے معاشرے کو جنم دے سکتی ہے۔ عورت کو تعلیم کے زیور سے آرامتہ کر کے معاشرے اور آنے والی نسلوں کے مستقبل کو روشن بنایا جا سکتا ہے اور ملک کی ترقی اور خوشحالی کا ایک بیان دور شروع ہو سکتا ہے۔

§§§

مارچ کی 8 تاریخ خواتین کے عالمی دن کے طور پر منائی جاتی ہے ایک طرف اللہ تعالیٰ نے جنت مان کے قدموں میں رکھ دی ہے تو دوسرا طرف آج بھی ہمارے معاشرے میں عورت کو پاؤں کی جوتو سمجھا جاتا ہے عورت کے حقوق پر بحث کوئی نئی بات نہیں کئی صدیوں سے عورت اپنے حقوق کے حصول کے لیے جہد مسلسل میں ہے۔ وہی حقوق جن کی ادائیگی آج سے 14 سال پہلے اسلام کر پکا۔ اسلام جس نے عورت کو عزت و مقام دیا۔ وہندہ اسلام کے آغاز سے پہلے عرب میں عورت کو زندہ گاڑ دیا جاتا تھا۔ لڑکی کی پیدائش ایک خوست سمجھی جاتی تھی۔ عورت کو فشاو کی جڑ سمجھا جاتا تھا۔ ہندو معاشرہ جو آج بھی عورت کو مکمل حقوق دینے سے قادر ہے۔

شوہر کے مرنے کے بعد عورت دوبارہ سے نامل زندگی گزارنے کا حق نہیں رکھتی۔ عورت کو "بیتی" بھیجی ہے بیاند اور غیر انسانی رسم کے مطابق زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ مغربی معاشرے کی عورت جو بھی ترقی یافتہ ملک میں عورت کو دوڑ ڈالتے کی آزادی نہیں تھی کچھ سال قبل عورت کو دوڑ ڈالتے کا حق حاصل ہوا۔ عورت جو مغربی معاشرے میں مرد کے شانہ بشانہ معاشری رہیں میں پلٹی چلتی اب تھک بھی ہے۔ اس معاشرے میں جہاں عورت کو مرد کے برابر کام کرنا پڑتا ہے۔

جبکہ زندگی کی ساری سہولیات کے حصول کے لیے انسان دن رات کام تو کرتا ہے مگر پیسے اور کام کی اس دوڑ میں کہیں رہتے اور خاندان بہت دور جا پڑتے ہیں۔ مشرقی معاشرہ جو ایک طرف تو غیرت کے نام پر بین و بیوی اور بیٹی کا قتل جائز سمجھتا ہے۔ دوسرا طرف اسی معاشرے میں کسی کی بھی بیوی، بین و بیٹی سڑک و بس سٹاپ اور گلی پارکاروں میں پلٹی پھریتی خود کو غیر محفوظ سمجھتی ہے۔ اس کم پڑھے لکھے اور غیر ترقی یافتہ معاشرے میں اگر کوئی لڑکی بس کے انتشار میں "بس سٹاپ" پر کھڑی ہو تو ہر عمر کا مرد اسے لفٹ دیتے کیلئے تیار گھرا ہوتا ہے۔ ایسا معاشرہ جہاں کسی مرد کو اپنی غیرت اور عزت تو محفوظ چاہیے مگر کسی دوسرے کی عزت انہی سڑکوں پر رسو اکی جاتی ہے۔ آج اکیسویں صدی کے اس نام نہاد مذہب معاشرے میں عورت کی تعلیم اس کے حقوق اور آزادی پر بات کرنے والوں نے کیا صحیح معنوں میں عورت کو عزت دینے کی کوشش کی؟ عورت کی تعلیم جس کی بات آج مغربی معاشرہ کرتا ہے اس کے بارے میں احکام تو اسلام چودہ سو سال قبل دے چکا ہے۔

بی کریم کے ارشاد کے مطابق "علم" کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے، "ایسا پر کیکنیک مذہب جو صدیوں پہلے ہی عورت کے حقوق متعین کر چکا جو عورت کو تعلیم کا حق دے چکا۔ اسی مذہب کے پروگار عورت کو عزت دینے میں اتنے تجھیں کیوں؟ اسی پاکستان میں جو بنا ہی کہیں اسے وراثت میں نام پر تھا آج بھی اس معاشرے میں جسمانی اور ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے کہیں اسے وراثت میں حصے سے محروم رکھا جاتا ہے تو کہیں غیرت کے نام پر اس کا خون بھایا جاتا ہے۔ دنیا میں ہر چیز کے کچھ مفتی اور کچھ ثابت پہلو ہوا کرتے ہیں۔ مرد چاہے مغربی معاشرے کا ہو یا مشرقی معاشرے کا اگر اس کی سوچ ثابت اور تعمیری ہو۔

اگر وہ اخلاقیات کے اعلیٰ درجہ پر ہو تو وہ عورت کو بہیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ یہ اس کی تربیت ہے جو اسے عورت کی عزت کرنا سمجھاتی ہے۔ اور مرد کی تربیت ماں کی گود سے شروع ہو کر خاندان کے ماحول سے ہوتی ہوئی معاشرے کے طور طریقوں پر ختم ہوتی ہے۔ ثبت سوچ کے مالک لوگ نہ صرف عورت کو عزت دیتے ہیں بلکہ انہیں خاندان اور معاشرے کا نہیت اہم رُکن کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں وہ اپنی ماں، بیوی اور بین اور بیٹی ان سارے خداوں سے عورت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

QMobile

NOIR QUADCORE Z4

I am
Kareena Kapoor and...
NOIR



1.5 GHz Quadcore Turbo Processor



Wireless Display



5" HD Display



Back 8 MP
Front 2 MP

Rs. 35,000/-

2GB & 32GB RAM Built-in memory

www.qmobile.com.pk

No.1 Selling Smartphone Brand in Pakistan

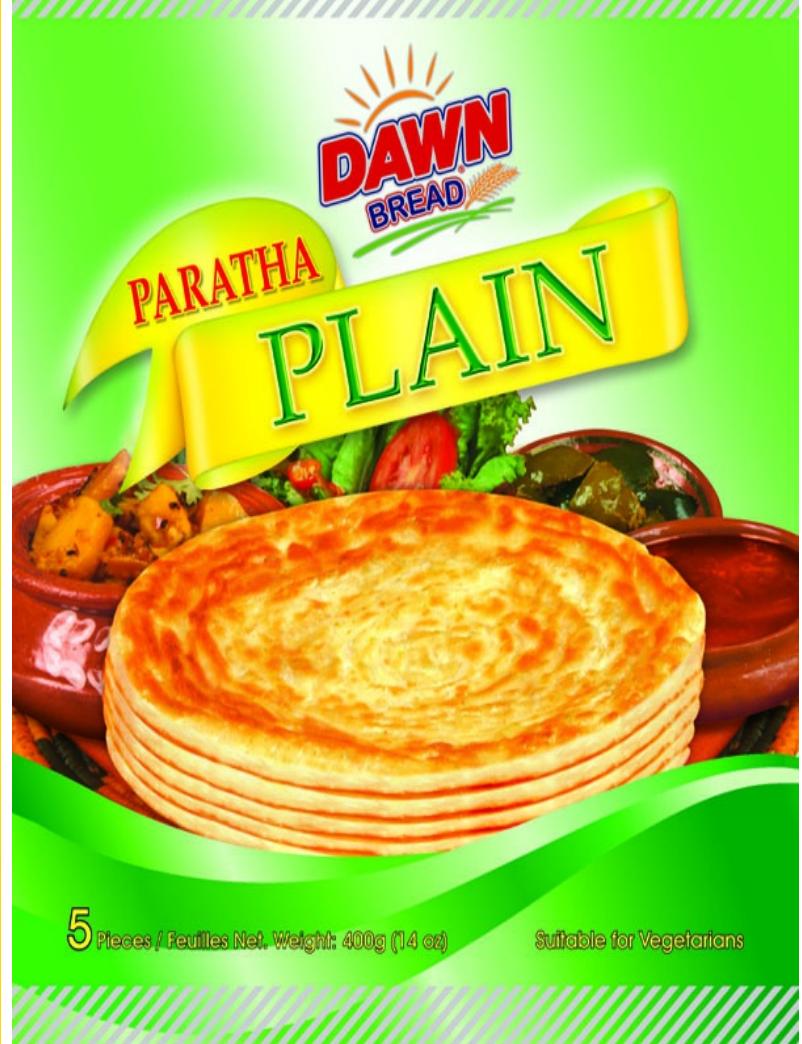
Now in New
OXO-BIODEGRADABLE
Packaging



In love?



Happy St. Valentine's Day



صنعتی و معاشری حب

مصنف: شیخ محمد عثمان فاروق



سندھ حکومت کی روایتی ہے جسی، لاپور ہائی و غفلت اور بلدیاتی و دیگر سرکاری اداروں کی مجرمانہ غفلت نے ملک کے معاشری حب کراچی کو گندگی و کچھے کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا ہے۔ ویسے تو پورا شہر کپڑا کنڈی کا منظر پیش کر رہا ہے لیکن صنعتی زونز میں صحت و صفائی کی صورتحال تشویشناک ہے۔ کورنگی، ساسٹ، بن قاسم، نارنجحہ کراچی، پسپر ہائی وے کے صنعتی علاقوں میں بلدیاتی اور دیگر سرکاری اداروں کی نالائی کے باعث سیور ٹچ سسٹم ناکارہ ہو چکا ہے جس کے باعث پیشتر صنعتی علاقوں میں جگہ جگہ گٹر لٹنے سے سڑکیں ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈرات میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ صنعتی علاقوں میں قائم کپڑا کنڈیوں کی عدم صفائی کے باعث لفڑی کے نارنجھہ کے تمام صنعتی زونز میں صحت و صفائی کا فنڈان اور فراہمی آب محظل ہے۔ وفاق کو تقریباً 70 فیصد ریونیو دینے کے باوجود کراچی کے صنعتی زونز تمام نیادی سہولتوں سے محروم ہیں۔ طویل بدامنی کے بعد آپریشن کے نتیجے میں امن امان کی صورتحال میں قدرے بہتری کے باعث تجدیدی و صنعتی سرگرمیوں میں بھی قابل ذکر اضافہ ہوا ہے لیکن نیادی سہولتوں کی عدم فراہمی اور توقاتی بھر جان کے صفتی و تجارتی شعبوں پر صفتی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ کئی سالوں سے جاری بدامنی اور توقاتی بھر جان سے تھگ آکر اپنا سرمایہ بیرون ملک اور اندروں ملک منتقل کرنے والے صنعتکار و تاجرا من و امان کی صورتحال میں بہتری کے بعد واپس کراچی کا رخ کرنے لگے ہیں لیکن نیادی سہولتوں کی عدم فراہمی اور حکمرانوں کی میوپل آفیسرز کی تعیناتی ہے۔ صنعتی و تجارتی علاقوں میں تعینات بلدیاتی صفائی سترکاری کی بجائے گھر بیٹھے تنخواہیں وصول کر رہا ہے۔ کراچی بھر کے بلدیاتی ملازمین اپنی آدمی تنخواہیں ایڈیشنریز اور ایم اویس کو اپنے فراہمی ادا نہ کرنے کی مدد میں ادا کرتے ہیں اور انہی تنخواہوں پر وہ خود گزارہ کرتے ہیں۔ بھی صورتحال واڑ بورڈ کی ہے۔ واڑ بورڈ کے حکام و عملے کی ملی بھگت سے کراچی میں پانی کے کاروبار نے باقاعدہ صنعت کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ غیر قانونی پائیورنیٹس کی بھر جار سے صنعتکار اپنے حصے کا پانی بھی خرید کر صنعتیں چلانے پر مجبور ہیں۔ تلت آب، صفائی سترکاری کے فنڈان اور توقاتی بھر جان کے باعث صفتی شعبوں کی زیبوں حالی میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے اور پیشتر صنعتکار اس صورتحال سے شدید پریشانی اور مشکلات سے دوچار ہیں۔

بلدیاتی نظام کے خاتمے بعد نیادی مسائل کے حل کیلئے بلدیاتی اداروں کی ناقص کارکردگی کی سب سے بڑی وجہ سیاسی و سفارشی نیادیوں پر صنعتی ایڈیشنریز اور توقاتی میوپل آفیسرز کی تعیناتی ہے۔ صنعتی و تجارتی علاقوں میں تعینات بلدیاتی صفائی سترکاری کی بجائے گھر بیٹھے تنخواہیں وصول کر رہا ہے۔ کراچی بھر کے بلدیاتی ملازمین اپنی آدمی تنخواہیں ایڈیشنریز اور ایم اویس کو اپنے فراہمی ادا نہ کرنے کی مدد میں ادا کرتے ہیں اور آدمی تنخواہوں پر وہ خود گزارہ کرتے ہیں۔ بھی صورتحال واڑ بورڈ کی ہے۔ واڑ بورڈ کے حکام و عملے کی ملی بھگت سے کراچی میں پانی کے کاروبار نے باقاعدہ صنعت کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ غیر قانونی پائیورنیٹس کی بھر جار سے صنعتکار اپنے حصے کا پانی بھی خرید کر صنعتیں چلانے پر مجبور ہیں۔ تلت آب، صفائی سترکاری کے فنڈان اور توقاتی بھر جان کے باعث صفتی شعبوں کی زیبوں حالی میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے اور پیشتر صنعتکار اس صورتحال سے شدید پریشانی اور مشکلات سے دوچار ہیں۔

شہر قائد کے صفتی علاقوں میں نیادی سہولتوں کی عدم فراہمی کے حوالے سے جہاں وفاقی اور صوبائی حکومتیں ذمہ دار ہیں وہاں فیڈریشن، کراچی چیئر، کامی، بھائی، بھائی، ساسٹ اور پسپر ہائی وے آف ٹریڈ اینڈ انڈسٹری اور دیگر تجدیدی و صنعتی تنظیمیں بھی برادر کی شریک ہیں۔ کراچی کے صفتی و تجارتی شعبوں کے مسائل کا حل کیمی بھی ان صفتی و تجارتی شعبوں کے عہدیداروں کی اولین ترجیح نہیں رہا۔ فیڈریشن ہو یا کراچی چیئر یا پھر دیگر صفتی و تجارتی تنظیموں کے منتخب عہدیدار، ہمیشہ ان کی ترجیحات موجوہہ حکمرانوں اور صوبائی افسران کے اعتقاد اور فوتو سیشن تک محدود رہی ہیں۔ تاجروں اور صنعتکاروں کی نمائندگی کے دعویدار تمام ایڈیشنریز کی ہمیشہ سے ایک روایت رہی ہے کہ یہ الموسی ایشٹر اور اپنے دفاتر میں ہرجانے والے حکمران اور افسران کے ساتھ بھی تصاویر ہٹا کر منے آئے والے حکمرانوں اور افسران کے ساتھ فوتو سیشن کرنے کے بعد ان کی تصاویر آؤزیں کر کے اپنے ذاتی مفاد حاصل کرتے ہیں۔ صنعتکار و تاجر نمائندوں کی دوہری دو ولی پالیسیاں بھی صفتی و تجارتی شعبے کے مسائل کے حل میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ توقاتی بھر جان اور نیادی سہولتوں کی عدم فراہمی کے باعث گزشتہ سال برآمدات میں کی ہوئی ہے۔ برآمدات میں کی کا بہب پیداواری عمل کا متاثر ہوتا ہے۔ پوری یونین کی جانب سے تجارتی مراجعتی اسکیم (جی ایس پی پل) ملنے کے باوجود مالی سال 2013-14 میں برآمدات 25 ارب 11 کروڑ ڈالر ملک پہنچنے کے بعد تنزلی کی جانب گامزن ہے۔ برآمدات کی مالانہ اوسط 2 ارب ڈالر سے بھی نیچے آگئی ہے۔ جولائی 2015 کے دوران برآمدات میں 17 فیصد کی نیابیں کی ریکارڈ کی گئی ہے۔ برآمدات کو فروع دینے کیلئے حکومتی اقلامات پر سوالیہ نشان گل گیا ہے اور یہ برآمدی شعبے کی بدترین کارکردگی ہے۔ دوسری جانب حکومت برآمدات کو فروع دینے کے دعوے کر رہی ہے لیکن حقیقت اس کے باکل بر عکس ہے۔ حکومت کی مجوزہ ٹریڈ پالیسی کے تحت تین سال میں برآمدات 50 ارب ڈالر ملک پہنچنے کے اعلانات کے جاری ہے ہیں اور برآمدات بڑھانے کیلئے کئی ممالک سے ترجیحی اور آزاد تجارتی معاملوں کیلئے مذاکرات کے جاری ہیں۔ حکومت کی جانب سے بارہا یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ آزاد تجارتی معاملوں سے پاکستانی تجارت کو فقسان پہنچنے کا کاٹاٹر غلط ہے لیکن زمینی حقوق حکومتی دعویٰوں کے بر عکس ہیں۔ ہر گزتے ماہ کے ساتھ پاکستانی برآمدات کا گراف نیچے کی جانب جاری ہے۔ پاکستان بیورو شماریات کے مطابق جون 2015 کے مقابلوں میں جولائی 2015 کے دوران برآمدات میں کی اور برآمدات میں اضافے کے باعث تجارتی خسارہ بڑھ گیا ہے۔ صفتی شعبوں میں نیادی سہولتوں کی عدم فراہمی کے باعث پیداواری عمل شدید متاثر ہوتا ہے۔ برآمدات میں کی سے تجارتی خسارہ تشویشک حد تک بڑھ رہا ہے۔ صفتی پیداواری عمل میں ست روی اور ملکی برآمدات میں کی حکمرانوں و صفتی نمائندوں کیلئے لمحہ فکریہ ہے۔ حکومتی اور صفتی الموسی ایشٹر زمینی حقوق کا اور اک کرتے ہوئے صفت دوست پالیسی اپنائیں بصورت دیگر صفتی شعبے کی ترقی اور برآمدات کا فروع غمکن نہیں۔

کرپشن کی سماجی وجوہات

مصنف: علی احمد



کے مطابق ان پر 300 ارب روپے کی کرپشن کا الزام لگا انہیں نوکری سے برخاست کر دیا گیا اور انکے خلاف تحقیقات شروع ہو گئیں جس پر منصور الحق 1998ء سے ملک سے فرار ہو کر امریکی ریاست نیکسas کے شہر آئٹھ میں پناہ گزیں ہو گئے اور ملک میں انکے خلاف مقدمات پلٹتے رہے۔

اس دوران امریکہ میں انی کرپشن قوانین پاس ہو گئے جس پر نیب نے امریکی حکومت کو خط لکھا اور وہ 17 اپریل 2001ء کو امریکہ میں گرفتار ہو گئے اور ان کیخلاف مقدمہ درج کر لیا گیا۔ انہیں جیل میں عام قیدیوں کے ساتھ رکھا گیا وہ قیدیوں کا لباس اور سیپر پہننے تھے اور چھوٹی سے بیرک میں قید تھے۔ اور انہیں ہجھکڑی کا کر عدالت لایا جاتا ہے تاروا سلوک ایڈرال منصور الحق برداشت نہ کر سکے اور امریکی حکومت کو لکھ کر دے دیا کہ انہیں حکومت کی اور انہیں ہجھکڑی لگا کہ جہاز میں سوار کر درخواست منظور کر لی اور انہیں ہجھکڑی لگا کہ جہاز میں سوار کر دیا گیا اور سفر کے دوران بھی ان کا ایک باتھ سیت سے بندھا رہا۔ مگر جب وہ پاکستان کی حدود میں داخل ہوئے تو انکے ہجھکڑی کھول دی گئی وہ آئی پی لاوچ سے اپرپوٹ سے باہر آئے نبی کی شاندار گاڑی میں بیٹھے سہارا بیسٹ ہاؤس پہنچے۔ سہالہ ریسٹ ان کیلئے سب جیل بنا دیا گیا۔ انہیں خانسلماں بھی میبا کر دیا گیا۔ گیم اور الہ خانہ کو ملاقات کی اجازت دیدی گئی۔ وہیں پر عدالت لگنے لگی۔ انہوں نے بلی بارگیگ کے ذریعے لوٹ مار کی کمائی کا 25 فیصد حکومت کو واپس کیا اور آج وہ سابق نیول چیف کے کمل پرونوکوں کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔ گالف اور برج کھیلے ہیں شادیوں اور دیگر تقریبات میں بھی شریک ہوتے ہیں۔ اب ذرا تصور کیجئے کہ ہمارا مجرم جب تک امریکہ میں تھا یہ وہاں زندگی کے مشکل ترین دن گزار رہا تھا لیکن یہ جو نبی ہمارے ہاں آیا تو آج تک نہ صرف وہ آزاد زندگی گزار رہا ہے بلکہ وہ زندگی کی تمام سہوتوں سے لطف اندوں بھی ہو رہا ہے۔ یہ سب مزے پاکستان کے طبق اشراقیہ اور طاقتوں افروگ کو ہی حاصل ہیں جبکہ ایک ہزار روپے کا لگاس چانے والا اس ملک میں 25 سال تک جیل کی سلاخوں کے بیچے بیٹھ دیا جاتا ہے۔ آج بھی 300 روپے سے 500 روپے کی رشوٹ کے الزام میں کئی کلرک جیل میں قید ہیں۔ سرکاری کالج کے ایک پرنسپل کو دو ہزار کا ٹیپ ریکارڈ خریدنے پر جیل جانا چاہا۔



وزیر داخلہ چودھری ثنا نے کرپشن کیخلاف جس عزم

سے لے کر گلکھ تک ہر افسر اپنی تنخواہوں اور مراعات کی نسبت 10 گنا زیادہ اخراجات کر رہا ہوتا ہے۔ اس پر مستراد پنجاب حکومت نے یورو کری کے مقابلے سینکڑوں احتلازیاں اور کمپنیاں بنائی ہوئی ہیں جن میں تعینات حکمرانوں کے چیتے تنخواہوں کی مدد ہی میں ماہانہ 10 سے 20 لاکھ روپے بمور رہے ہیں۔ پی آئی اے سرکاری بیکوں اور خود مختار اور اوس کے اعلیٰ افسران سرکاری مراعات اور تنخواہوں کی صورت میں کروڑوں روپے بھتیا رہے ہیں مگر ان حکمرانوں کی کارکردگی انتہائی ماپس کن ہے۔ مثلاً بہاولپور کے قائد اعظم سول افریقی پراجیکٹ میں چیف ایگزیکٹو آفسر کی تنخواہ 13 لاکھ روپے ماہوار ہے جبکہ سرکاری گریڈ کے لحاظ سے وہ محض ڈیڑھ لاکھ روپے ماہوار کے حق دار ہیں۔

پی آئی اے، واپس، کراچی سٹیشن مل ریلوے زبردست خارے کا شکار ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ ہمارے حکمران ان حکمرانوں میں اپنے نا اہل اور کبپت عزیز و اقارب کو پرکشش پوسٹوں پر تعینات کروا دیتے ہیں جو نہ صرف لاکھوں روپے تنخواہوں اور مراعات کی صورت میں وصول کرتے ہیں بلکہ کروڑوں اربوں کا غبن کرنے کو اپنا استحقاق سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ قانون کی گرفت میں آ بھی گئے تو نیب سے پلی بارگین کرنے کے بعد رہا ہو جائیگے۔ چاہے وہ ڈل شاہ ہو ایڈرال منصور الحق ہو، بزرگ زاد علی اکبر ہو یا مشتاق ریسمانی، وہ اربوں کی لوٹ مار کرنے کے بعد چند کروڑ قومی خانے کو واپس کر کے دوبارہ مہزیں میں شار ہونے لگتے ہیں جبکہ پریم کورٹ کے ایک اعلیٰ چیف نے ریمارکس دیئے کہ ڈھانی سو روپے کی کرپشن کرنے والا چچا ای جیل کی سلاخوں میں چلا جاتا ہے جبکہ اربوں روپوں کی کرپشن کریمیا لے لیئے رشوٹ اور بدعنوی کا 25 فیصد ادا کر کے باعزت بری ہو جاتے ہیں۔ سندھ حکومت میں ایسے تمام کبپت افراد دوبارہ سرکاری ملازمتوں پر بھی بحال ہو چکے ہیں تاکہ دوبارہ سرکاری خانے کی لوٹ مار کر کے اپنے نقصان پورا کر لیں۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ تم سے پہلے قومیں اسکے تباہ ہوئیں کہ جرم کرنے پر امراء کو چھوڑ دیتی چھیں اور غریبوں کو پکڑ لیتی چھیں۔ آج ہمارے ملک کے لوگوں کے درمیان کرپٹ اور بدعنوی لوگ پوری آن بان کیساتھ رہتے ہیں مگر کوئی شخص بھی ان بے ایمان لوگوں کا سماجی بائیکاٹ نہیں کرتا ہے۔ المذا بھیت مجھوی معاشرے میں لوگوں کی اکٹھیت کی روشن بن چکی ہے کہ وہ رشوٹ خوروں اور ناجائز طریقوں سے مال بنانے والوں سے نفرت نہیں کرتے ہیں۔ میرے ایک دوست نے سوش میڈیا پر یہ پوسٹ بھیج کر ہمارے حکمرانوں کے غیرمیر کو جھنجورنے کی کوشش کی ہے ”ایڈرال منصور الحق پاکستان نبی کے سربراہ تھے۔ یہ 10 نومبر 1994ء سے لے کر کیم منی 1997ء ہمارے ملک کے نیول چیف رہے تھے۔ ایک محاط اندازے

تو قی احتساب یورو کی کرپشن کیخلاف بیواری شعور مہم کی ڈائریکٹر جزل عالیہ رشید کا کہنا ہے کہ ہمارے ملک میں سرکاری افسران کی کرپشن کے پیچے ایک خاندان خصوصاً بیوی بچوں کا سماجی دباؤ بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے جب کسی بھی با اختیار اعلیٰ اور اونی سرکاری ملازم کو اسکے بیوی بچے یہ بتاتے ہیں کہ ایک ملے جلنے والوں کے پاس بڑے بڑے بیٹھنے اور بھگلی پر قیش گاڑیاں ہیں اور وہ ہر سال بیرون ملک سرپلٹے کیلئے جاتے ہیں۔ دوسری، لندن اور امریکہ سے شاپنگ کرتے ہیں تو یہ ہاتین سن کر وہ سرکاری ملازم ڈبھنی دباؤ میں آ جاتا ہے اور اپنے خاندان والوں کے سامنے ہیروہ بننے کی خاطر سرکاری وسائل کی لوٹ مار شروع کر دیتا ہے اور اپنے مل کی ناجائز خواہش پوری کرنے کیلئے کرپشن کی دلدل میں بری طرح پھنس جاتا ہے۔ اگر ہمارے ملک کے سرکاری افسروں کے بیوی بچے ناجائز خواہشوں کو پورا کرنے کیلئے اپنے خاوند اور باپ کا جذباتی احصان نہ کریں تو اس ملک سے کرپشن 50 فیصد تک کم ہو سکتی ہے۔ عالیہ رشید کی باقی میں جزوی طور پر صداقت ہے اسی لئے قرآن پاک میں مال اور اولاد کو فتنہ قرار دیا گیا ہے۔ میں نے اعلیٰ ترین سرکاری آفسروں کو اپنے بیوی بچوں کے پر قیش لائف سائل کی خاطر اس ملک کے وسائل کو بے دردی سے لوٹتے ہوئے دیکھا ہے۔ 20 اور 22 گریڈ کے بے تحاش افسران کے چار چار بچے لندن امریکہ کی ایسی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں جن کے ایک ایک سو ستر کی فیس 60 ہزار ڈالر تک ہے جبکہ والد صاحب حکومت کے انسیوں گریڈ کے ملازم کے طور پر ماہانہ ڈبھنے والے تنخواہ حاصل کر رہے ہوئے ہیں اور بیرون ملک پڑھنے والے بچوں پر سالانہ 5 کروڑ روپے سے زیادہ خرچ کر رہے ہیں۔ ایک اندازے کی طبق اعلیٰ سول اور فوجی افسران جن کے گریڈ 19 سے لے کر 22 تک ہیں۔ 80 فیصد افسران جن کا شمار اسی کیلگری میں آتا ہے ریونیو ٹھکنے کا پیواری، تحصیلدار اور ضلعی انتظامیہ کا چیف افسر، ٹھین کمشنر اور کشم کا پر شنیدن

چند اقدامات کی ضرورت ہے جن میں ایسے پروپریتیز کا قیام کہ جس کے تحت قانون کی بالادستی قائم کرنے میں مدد مل سکے اور دوسرے ایسے پروپریتیز ہو کہ جمہوری طرز کی طرف لے جائیں۔ یاد رکھنے کی بات تو یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک پراسیس کا فقiran عدم استحکام کا باعث بن سکتا ہے۔ مثلاً بھارت میں چھ دہائیوں سے جمہوریت قائم ہے مگر وہاں قانون کی بالادستی کا شعور پختہ نہیں ہے لہذا بھارتی جمہوریت نے نہرو سے لے کر لاٹو پر شاد اور بے لیلتی یہی سیاستدان پیدا کی۔ جمہوریت کی آزادی میں جرام پیشہ اور کپڑت عناصر کا اقتدار میں آ جانا خود جمہوریت کی زندگی کیلئے خطرہ ہے۔ گزشتہ ساتھ سالوں میں کسی ایسے ملک کی مثال نہیں دی جاسکتی جو قانون کی بالادستی اور جمہوریت کا راستہ اپنانے کے باوجود ترقی نہ کر سکا ہو۔ جبکہ ہم افریقہ، لاطینی امریکہ اور ایشیا کے بہت سے ایسے ممالک کی مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔ ایک بات یاد رہے کہ جب فرد ریاست ہو جائے تو پھر قوانین کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔ جمہوریت کے ساتھ خود مختار اور غافل عدالتی فرد اور ریاست کے درمیان اختلاف بحال کر سکتی ہے۔ جواب دی اور موافقہ کا اصول ہی کرپشن سے نجات کا راستہ ہو سکتا ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ جمہوریت خاص معاشرتی ماحول میں لا بیگ کے ذریعہ لوگوں کو ساتھ ملانے کا نام ہے ہو بلکہ اس معاشرے کی بنیاد رکھی جا سکے جہاں "Free Rule Context" کے ذریعہ کام کرنے کی روایت مضمبوط ہو۔

————— ♫ ♫ ♫ —————

کا انہمار کیا ہے اس کیلئے ہر سٹپ پر ایک عزم کے ساتھ ساتھ عملی جدوجہد کی ضرورت ہے اور اس عملی جدوجہد میں بہت سے ان اقدامات کی بھی ضرورت ہے جسے ہر آنے والی حکومت نے پس پشت ڈال دیا۔ "احتساب، جوابدی اور موافقہ" تین نیادی اصول کرپشن کے خاتمے میں نمایاں کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس وقت ہماری ضرورت نیب جیسے ایڈیٹاک فلم کے "عدل چالگیری" کی نہیں بلکہ ایسے سیاسی اور سماجی پروپریتی کی ضرورت ہے کہ جس کے تحت قانون کے غیر شخصی تصور اور قواعدہ ضوابط کے بارے میں ہمارا شعور پختہ ہو کہ ہماری تہذیبی رویت کا حصہ بن سکے۔ یہ تجھی ممکن ہوتا ہے کہ جب سیاسی عمل میں مصنوعی انداز میں رخنے والے کی روایت ختم ہو جائے اور عدالیہ کو مزید فعال بنا کر ہر فلم کے سیاسی دباؤ سے آزاد کر دیا جائے۔ لیکن ان محکمات کو اگر ہم پس پشت ڈال کر کرپشن سے پاک معاشرے کا خوب دیکھتے ہیں تو اس کا تجیہ وی نکلے گا جو گزشتہ ساتھ سالوں سے ہمارے سامنے ہے۔ جن کا فالدہ نہ پہلے کہی ہوا نہ آگے چل کر ہو گا۔

نظام عدل کی ناکامی، جمہوری اداروں کی بیکاری و ریخت کی وجہ سے پاکستان میں قدرتی وسائل کے باوجود بھی ہم ترقی کی اس صلاحیت سے محروم رہے ہیں جو ہم نے حاصل کرنا تھی۔ ماہرین سیاست اس بات کے مistrust ہیں کہ اگر جمہوری اداروں کو "وسیع تر قومی مفاد" کی بھیت پڑھانے سے احتساب کیا جائے تو تمام ترقیاتوں کے باوجود نہ صرف اقتصادی ترقی اور ریاست و فرد کے تعلق کو پائیار نیادیوں پر استوار کیا جا سکتا ہے بلکہ کرپشن کے خاتمے کی طرف بھی مونٹر قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں آج بھی یہ سوال گونج رہا ہے کہ "مکی مسائل اور کرپشن کا ذمہ دار کون ہے؟" اور اس سوال کا جواب تلاش کرنے میں ہم نے اٹھ سال گزار دیئے۔ بجائے اس کے کہ قانون کی مضمونی، اداروں کا استحکام، جواب دی کے اصول کے فروع کے ذریعہ ہم کرپشن کے دروازے کو مضمونی سے بند کرنے کے خواہشند ہوں، ہم نے اس سوال کا حل تلاش کرنے میں اتنا عرصہ لگا دیا اور آئندہ پچاس سال بھی اسی سوال کے حل میں صرف ہو سکتے ہیں۔ اگر باقاعدہ حکمت عملی اور آزاد عدالیہ کے تصور کو مضمون تر نہ کیا گیا ماضی سے لے کر حال تک کے تجربات نے اس حقیقت کو واضح کیا کہ جب بھی کپٹ سیاستدانوں کو لگام ڈالنے کے لئے تباہی سامنے آتی ہیں تو آئین ساز اداروں کو داخلی طور پر فعال بنانے کی بجائے ایک ایسے عہدے پر توجہ دی جاتی ہے جو اپر سے غدائی احکامات نالہ کر سکے۔ چنانچہ "Check & Balance" کا اصول کہیں گذہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

ایک تاریخی حقیقت یہ بھی ہے کہ نیک اعمال کی تلقین یا خطبوں سے نہ تو سیاسی انتشار کو ختم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی کرپشن فری معاشرے کا قیام ممکن ہے۔ اس کے لئے عملی طور پر

